محرم الحرام / صفر المظفر
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
جولائی 2025
ماہ نامہ
ذوق و شوق
کراچی
تصویر کا عنوان بتائیے
اور انعام پائیے
KKE-9505

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

تحریر کی پیش کش:

☆ اگر آپ ڈاک کے ذریعے تحریر بھیج رہے ہیں تو کسی بھی صاف ستھرے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔
☆ صفحے کے آغاز میں اپنا نام، رابطہ نمبر اور مکمل ڈاک پتا واضح لکھیے۔
☆ ہر تحریر علاحدہ صفحے پر لکھی جائے، مختلف عنوانات کو ایک ساتھ نہ ملایئے۔
☆ اگر نظم لکھ رہے ہیں تو بھیجنے سے پہلے کسی ماہر شاعر کو دِکھا لیجیے۔
☆ اسلامی یا تاریخی واقعات کے آخر میں مکمل مستند حوالہ ضرور دیجیے۔
☆ کہانی، نظم یا مضمون خود لکھیے، کسی جگہ سے نقل کردہ مواد نہ بھیجیے۔

تحریر بھیجنے کے طریقے:

☆ تحریر ہمیں واٹس ایپ (0300-2229899) یا ای میل (zouqshouq@hotmail.com) کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں، مگر اُس میں اپنا مکمل نام، ڈاک پتا اور رَابطہ نمبر ضرور شامل کیجیے۔
☆ بذریعہ ڈاک اپنی تحریر اِرسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور اَصل کاپی ہمیں بھیجیے۔
☆ تحریر ای۔میل یا واٹس ایپ کے ذریعے بھیج رہے ہوں تو تحریر کی ٹائپنگ درست ہو، پیراگراف واضح ہوں۔ ہر لفظ کے بعد فاصلہ ہو، ختمے کے بعد فاصلہ ہو، نہ کہ ختمے سے پہلے۔ دیگر رُموز واَوقاف میں بھی اسی اصول کا لحاظ رکھیے۔
☆ اگر کسی تہوار یا خاص دن کی مناسبت سے تحریر بھیجنا چاہتے ہیں تو کم از کم دو ماہ پہلے بھیجیے۔

تحریر کے بنیادی اصول:

☆ تحریر میں غیر ضروری سخت الفاظ، بدتمیزی، بے ادبی یا غیر مہذب الفاظ شامل نہ ہوں۔
☆ تحریر میں فلم، گانوں، یا کسی بھی قسم کی غیر شرعی تقریبات کا ذِکر نہ ہو۔
☆ کہانیوں میں ایسا مواد شامل نہ ہو جو بچوں کی تربیت پر غلط اثر ڈالے۔
☆ تحریر میں نامحرم مرد وعورت کا میل جول نہ دکھایا جائے۔
☆ اخلاقیات کا خیال رکھا جائے۔
☆ غیر ضروری تفصیل نہ ہو۔
☆ قرآن وحدیث یا کسی مشہور شخصیت کے اقوال شامل ہوں تو مصدقہ حوالہ ضرور دِیا جائے۔
☆ تحریر میں تخلیقی انداز اَپنائیں، مواد دِل چسپ، معلوماتی اور بچوں کی عمر کے لحظ سے ہو۔

بچوں کے ادب کے لیے خصوصی ہدایات:

☆ کہانیاں سبق آموز، دل چسپ اور مزاحیہ انداز میں لکھی جائیں، تاکہ بچے ان سے محظوظ ہوں۔
☆ تخیل کا بہترین استعمال کریں، لیکن ان کا اخلاقی پہلو مثبت ہو۔
☆ نظموں میں روانی اور آسان الفاظ کا استعمال کریں، تاکہ بچے انھیں یاد کر سکیں۔
☆ اگر کوئی سائنسی معلومات پر مبنی تحریر ہو تو اُسے کہانی یا دِل چسپ انداز کی شکل میں پیش کریں، تاکہ بچے آسانی سے سمجھ سکیں۔
☆ کوئی ایسی تحریر نہ بھیجیے جس میں خوف، مایوسی یا منفی رویے کو فروغ دیا گیا ہو۔

(ادارہ)

اب ہوا آسان......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہ نامہ ذوق وشوق کی سالانہ ممبرشپ مع رجسٹری ڈاک خرچ =/2500 روپے ہے۔ اگر آپ اکٹھی رقم جمع کروانے سے قاصر ہیں تو ہم لائے ہیں آپ کے لیے ایک بڑھیا پیش کش۔ اب رسالہ حاصل کرنا ہوا آسان......

اگر آپ کی جیب اجازت نہیں دے رہی ہو تو اب آپ چھے ماہ کی ممبرشپ بھی حاصل کر سکتے ہیں، جو کہ =/1250 روپے ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور پیش کش بھی......

آپ چھے ماہ کی ممبرشپ بھی حاصل نہیں کر سکتے تو صرف ہر ماہ کا شمارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ فی شمارہ =/180 روپے کا اور =/40 روپے ڈاک خرچ کے۔ مجموعی رقم =/220 روپے جمع کروادیں۔ یہ طریقہ زیادہ آسان ہے۔

(کسی بھی قسم کے اضافی چارجز شامل نہیں ہیں۔)

طریقہ کار: ادارے کے نمبر (0300-2229899) پر یا نگران ترسیل صاحب کے نمبر (0309-2228120) پر جس نام سے رسالہ جاری کروانا ہے وہ بتادیں، مکمل ڈاک پتا اور رابطہ نمبر عنایت کر دیجیے، ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے، ان شاء اللہ!

رسالہ لگوانے کے لیے آپ رقم تین ذرائع سے جمع کرواسکتے ہیں:

❶ **دستی:** دفتر میں آ کر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی۔ ماتحت مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال، بلاک ۸، کراچی۔ (نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ ممبرشپ فارم ضرور حاصل کریں۔)

❷ **بینک اکاؤنٹ کے ذریعے:** بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا بینک اکاؤنٹ ہے: میزان بینک

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456 اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust Zouq o Shouq

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

❸ **جاز کیش/ ایزی پیسہ نمبر:** 0319-1181693

(نوٹ: جاز کیش/ ایزی پیسہ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

پیغامِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ

عبد اللہ بن مسعود

(مفہوم آیت، از سورۂ جاثیہ، 29)

"یہ ہمارا (لکھوایا ہوا) دفتر (رجسٹر) ہے، جو تمھارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ تم جو کچھ کرتے تھے ہم اس سب کو لکھوالیا کرتے تھے۔"

عزیز ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا انتظام فرما رکھا ہے کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں اسے ایک رجسٹر میں محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ صبح اٹھنے سے رات سونے تک ہمارا ایک ایک عمل ریکارڈ ہو رہا ہے اور یہ سلسلہ ہمارے انتقال تک جاری رہتا ہے۔ یہ ریکارڈ اس لیے تیار کیا جا رہا ہے، تاکہ روزِ قیامت ہمارے اعمال کا ہمیں بدلہ دیا جاسکے اور اِنسان اپنے کسی بھی عمل کا اللہ تعالیٰ کے سامنے انکار نہ کرسکے۔

جب قیامت کے دن ہم اٹھیں گے اور حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہوگا تو ہر ایک کو اُس کا نامۂ اعمال (رجسٹر) حوالے کردیا جائے گا اور اُس وقت کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ تمھارے اعمال کا رجسٹر جو ہم نے دنیا میں تیار کروایا تھا۔ آج یہ ٹھیک ٹھیک تمھارے وہ کام بتائے گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے، لہٰذا ہمیں اس دھیان کے ساتھ اپنی زندگی گزارنی ہے کہ ہمارا ہر چھوٹا بڑا عمل، اچھا ہو یا بُرا، وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ اسے ریکارڈ کر رہے ہیں۔ کوئی چھوٹی سی نیکی بھی ہم کریں گے تو اُس پر بھی ہمیں اجر دیا جائے گا، وہ ضائع نہیں ہوگی، اسی طرح معمولی سا کوئی غلط کام کرلیا، کسی کو ذرا سی حرکت سے ستایا تو وہ بھی محفوظ ہوگا اور اُس پر سزا مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے اعمال اپنے رجسٹر میں محفوظ کروانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پیغامِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

راشد علی نواب شاہی

رسول اکرم ﷺ جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یوں دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللهُ۔

(الجامع للترمذی، ابواب الدعوات، مایقول عند رویۃ الھلال، الرقم: ۳۴۵۱)

(اے اللہ! اس پہلی رات کے چاند کو اَمن و سلامتی اور ایمان و اِسلام کے ساتھ ہم پر طلوع فرما۔ اے چاند! میرا اور تیرا رَب اللہ ہے۔)

عزیز ساتھیو! الحمدللہ! محرم کا مہینا شروع ہوگیا ہے۔ محرم سے قمری سال کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اس سال درج ذیل کاموں کی نیت کریں:

☆ ہر مہینے کے شروع میں چاند دیکھنے کا اہتمام کریں گے اور پھر مذکورہ دعا پڑھیں گے۔

☆ گزشتہ سال جو ہم سے کوتاہی ہوگئی اور غفلت اور سستی میں بہت سارے کام رہ گئے، آئندہ ہم کاموں میں غفلت اور سستی نہیں کریں گے، ان شاء اللہ!

☆ اس سال میں چند کتابوں کا مطالعہ کریں گے۔ (ایک فہرست بنائیں۔)

☆ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! فلسطین کے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیے، ان کی مدد فرمائیے اور اِس سال کو اِسلام کو اور مسلمانوں کے غلبے کا سال بنا دیجیے۔

سیرت کہانی ۴۳ — عبدالعزیز — 04

بس ایک منٹ... — بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد — 25

بلا عنوان ۲۱۵ — نوید اقبال — 07

دھوپ اور نبیل — آسیہ فاطمہ — 28

غلط سوچ — محمد کاشف اقبال — 10

انو منو کا دستر خوان ۳۵ — انعم توصیف — 14

نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)! (نظم) — محمد ہانی رفیق — 34

کام یابی گر چاہتے ہو (نظم) — خرم فاروق ضیاء — 17

خوشی کا راز — احمد عدنان طارق — 35

بوتل کا بادل — ڈاکٹر عاصم بھروچہ — 18

رنگین راز ۲ (کھیل) — سعد علی چھیپا — 37

سوال آدھا، جواب آدھا ۶۹ (کھیل) — الطاف حسین — 19

کھلونا گھر (پھر کیا ہوا ۱۹) — نذیر انبالوی — 38

گہرا تعلق — تنزیلہ احمد — 20

جادوگر — نازیہ آصف — 43

جنگل کا گندورو — محمد ندیم اختر — 46

ذوقِ معلومات ۱۱۳ (کھیل) — سعد علی چھیپا — 24

نئے لکھاری — قارئین — 49

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیرِ سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

محرم الحرام / صفر المظفر ۱۴۴۷ ہجری | جلد: 20

شمارہ: 07

- ناشر — محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر اعزازی — عبدالعزیز
- معاون — محمد طلحہ شاہین
- معاون — زبیر عبدالرشید

- ڈیزائنر — اسد اشفاق
- کمپوزر — سعد علی
- نگران ترسیل — انس احمد

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
2500/=

بذریعہ عام ڈاک
2250/=

خط و کتابت کا پتا

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او۔ بکس: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300
zouqshouq@hotmail.com
ذوق شوق/ zouqshouq

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0300-2229899 - 0309-2228120

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

0319-1181693 JazzCash

(نوٹ: جاز کیش / ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0309-2228120) پر واٹس ایپ کردیں۔)

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust (Zouq-o-Shouq)
اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کردیں۔)

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

عزیز دوستو! نئے اسلامی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ محرم کا مہینا چل رہا ہے۔ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ایک اور نیا سال عطا کیا، ہمیں اپنے آپ کو سنوارنے اور بنانے کا ایک اور موقع نصیب فرمایا۔

ذرا تصور کیجیے، آپ امتحان ہال میں بیٹھے ہیں۔ تین گھنٹے کا وقت تھا اور اَب دس منٹ باقی ہیں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں کہ کسی طرح میرا پرچہ مکمل ہو جائے۔ اچانک اعلان ہوتا ہے کہ آپ سب کو آدھا گھنٹا مزید فراہم کیا جا رہا ہے۔ کیا خیال ہے، آپ کو کتنی خوشی ہوگی؟ آپ تو پھولے نہیں سمائیں گے کہ بھئی، اب تو مزہ آ گیا۔ اب دیکھو، کیسے میرے سو میں سے سو نمبر آتے ہیں۔

اب آپ کیا کریں گے؟ آپ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر جوابات مکمل کرنے میں لگ جائیں گے، اِس آدھے گھنٹے کے ایک لمحے کو بھی ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ ایسا ہی ہے نا!؟ تو دوستو! یہ نیا سال بھی اسی طرح کا ایک اور موقع ہمیں مل رہا ہے۔

نئے سال کا نئے عزائم کے ساتھ آغاز کیجیے۔ سالِ نو کچھ، بل کہ بہت کچھ کرنے کے جذبے کے ساتھ شروع فرمائیے۔ یہ سال آپ کی تعلیم میں ترقی، اعمال میں اضافے، صحت میں بہتری اور صلاحیتوں میں زیادتی کا سال ہو۔

آپ سمجھ گئے نا!؟ جی ہاں دوستو! نیت، بل کہ عزم کیجیے کہ

☆ اب تک میری پڑھی گئی کتابیں پانچ تھیں تو اِس سال میں دس نئی کتابیں اپنی امی، ابو، اور اَساتذہ سے پوچھ کر پڑھوں گا۔

☆ اب تک اگر دَس دعائیں یاد ہیں تو اِس سال میں مزید بیس دعائیں یاد کروں گا۔

☆ گزشتہ سال میری صحت بہتر نہیں تھی، اس سال میں اپنی صحت پر توجہ دوں گا، روزانہ ورزش کروں گا، ایک گلاس دودھ پابندی سے پیوں گا، کھجور کو بھی اپنی غذا میں شامل کروں گا۔

اس طرح اپنی امی، ابو اور اَساتذہ سے پوچھ پوچھ کر اپنے اِس نئے سال کو ایسا بنا لیجیے کہ جب سال کا آخری دن آئے تو آپ کو بے پناہ خوشی ہو رہی ہو کہ یہ سال تو میری زندگی کا بہترین سال گزرا ہے۔

تو پھر کیا خیال ہے؟ اپنے اس سال کو بہترین بنائیں گے نا! اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے۔ آمین!

والسلام

سیرت کہانی ۷۳

عبدالعزیز

ہمت نہیں تھی

غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال بدر کے میدان میں دوبارہ لڑائی ہوگی، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ لشکر تیار کرنے لگے۔ ابوسفیان بھی اہل مکہ میں سے دو ہزار لوگوں کو لے کر مرالظہران نام کی جگہ پہنچا تو سہی، لیکن مقابلے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے سوچا کہ کچھ ایسا کیا جائے کہ مسلمان خود اِس لڑائی سے رک جائیں، اس کے لیے اس نے نعیم بن مسعود نامی شخص، جو مدینہ جارہا تھا، اسے مال کا لالچ دے کر یہ کہا کہ مدینے پہنچ کر مسلمانوں میں یہ بات مشہور کردو کہ قریش نے تمھارے مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے، لہٰذا اُن سے لڑائی کا خیال چھوڑ دو، لیکن یہ سن کر مسلمانوں کا جذبہ اور بڑھ گیا اور وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔ یہ سن 5 ہجری کا شعبان کا مہینا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر پہنچ کر آٹھ دن تک ابوسفیان کا انتظار کیا۔

ابوسفیان مرالظہران سے مکہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا۔ آخرکار اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:

"اے قریش کے لوگو! یہ قحط سالی کا وقت ہے، جنگ کا نہیں، جنگ تب ٹھیک ہوتی ہے جب ہریالی ہو، تاکہ جانور چارہ کھاسکیں اور ہم ان کا دودھ پی سکیں، لہٰذا میں واپس جارہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔"

اس کے ساتھیوں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی بات سے انکار نہیں کیا اور سب کے سب واپس چل دیے۔

بدر کے علاقے میں ایک بازار لگتا تھا۔ مسلمان تین روز تک وہاں خرید و فروخت کر کے نفع کماتے رہے اور قریش کے لشکر کے نہ پہنچنے کی وجہ سے خیر و برکت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیت: 175 نازل فرمائی، جس کا مفہوم ہے:

"جن لوگوں نے زخم کھا چکنے کے بعد بھی اللہ اور رَسول (ﷺ) کے حکم پر لبیک کہا، اُن میں جو اِحسان کرنے والے اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بڑا اَجر ہے۔ (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمھارے مقابلے کے لیے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں، سواُن سے ڈرو تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے، پھر وہ (مسلمان) اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس پلٹے، انھیں کوئی گزند نہ پہنچی اور اُنھوں نے رضائے الٰہی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ بے شک یہ (مخبر) شیطان ہی ہے جو (تمھیں) اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اُن سے مت ڈرا کرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو، اگر تم مومن ہو۔"

بھاگ گئے

اسی سن 5 ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں آپ ﷺ کو اِطلاع ملی کہ دومۃ الجندل نامی جگہ کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا

سوچ رہے ہیں آپ ﷺ ایک ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر 25 ربیع الاول کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ لوگ مسلمانوں کے آنے کی خبر سُن کر بھاگ گئے اور آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین بغیر لڑے ربیع الثانی کے مہینے میں مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

(طبقات ابن سعد، ج:2، ص:44)

گھبرا گئے

رسول اللہ ﷺ کو اِطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملے کی تیاری کے لیے بڑا لشکر جمع کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اطلاع کی تصدیق کے لیے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے آکر بتایا کہ یہ اطلاع صحیح ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیاری کا حکم فرمایا۔ دس مہاجرین صحابہ اور بیس انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے گھوڑوں سمیت تیار ہوگئے۔ ان کے علاوہ اس مرتبہ کچھ منافقین بھی مالِ غنیمت کے لالچ میں ساتھ ہولیے۔

آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو اِس سفر میں ساتھ رکھا۔

مسلمانوں کے اس لشکر نے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرکے مریسیع نام کی جگہ پر پہنچ کر بنی مصطلق پر اَچانک حملہ کردیا۔ وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلانے میں مشغول تھے۔ اس اچانک حملے سے گھبرائے اور مقابلہ نہ کرسکے اور یوں ان کے دس آدمی مارے گئے۔ دو ہزار اُونٹ، پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں اور دو سو گھرانوں کے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان سب گرفتار ہوگئے۔ انھیں قیدیوں میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحب زادی جویریہ بھی تھیں۔

توتم آزاد ہو

جب یہ مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو جویریہ غلام بن کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر اِتنی اِتنی رقم دے دو تو تم آزاد ہو۔

آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں

ان کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر اپنی بیٹی کو آزاد کروانے کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ ان اونٹوں میں سے دو اُونٹ جو بہت عمدہ اور اُن کے پسندیدہ تھے، ان دو اُونٹوں کو اُنھوں نے ایک گھاٹی میں چھپادیا کہ واپسی میں انھیں یہاں سے لے لوں گا۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اونٹ پیش کیے اور کہا:

’’اے محمد! (ﷺ) آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے، یہ اونٹ اس کا بدلہ ہے۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’دو اونٹ تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔‘‘

حارث بن ابی ضرار نے فوراً کہا:

’’اشھد انك رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں)‘‘ اور یوں وہ مسلمان ہوگئے۔

(الاصابہ، ترجمۃ حارث بن ابی ضرار)

کیا یہ بہتر نہ ہوگا

انھوں نے مزید کہا:

’’میری بیٹی غلام بن کر نہیں رہ سکتی، آپ اسے آزاد فرما دیں۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس معاملے کو جویریہ ہی کی مرضی پر چھوڑ دوں!‘‘

حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی جویریہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھاری آزادی کے معاملے کو تمھاری مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

’’میں اللہ اور اُس کے رسول کو اِختیار کرتی ہوں۔‘‘

(الاصابہ، ج:4، ص:265)

میں اس پر راضی ہوں

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے خود آ کر عرض کیا:

’’اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ میں جویریہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، میں تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں۔ انھوں نے مجھے رقم دینے کا کہا ہے جس کی بنا پر میں آزاد ہو جاؤں گی، آپ اس میں میری مدد فرمائیے۔‘‘

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’میں تمھیں اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو تو، وہ یہ کہ تمھاری طرف سے یہ رقم میں ادا کر دوں اور تمھیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لوں۔‘‘

حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’’میں اس پر راضی ہوں۔‘‘

(سنن ابی داؤد فی کتاب العتاق۔۔۔)

اب یہ لوگ رسول اللہ کے رشتے دار بن گئے ہیں

جب رسول اللہ ﷺ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ اب یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے رشتے دار بن گئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔‘‘

(سنن ابوداود، کتاب العتاق، ج:2، ص:192)

اس قسط سے ہم نے کیا سیکھا؟

اس قسط میں کفار کے لشکر کے مرالظہران نامی جگہ تک آنے اور مسلمانوں سے لڑے بغیر واپس جانے کا، مسلمانوں کے کفار کے لشکر کا میدان بدر میں انتظار کرنے اور تین دن تجارت کر کے نفع کما کر واپس پلٹنے کا ذکر ہے، غزوہ دُومۃ الجندل کا، غزوہ بنی مصطلق کا، ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کرنے کا، ان کے والد کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔ اس سے ہمیں درج ذیل 11 سبق حاصل ہوئے:

١. کافر بزدل اور مسلمان ہمت والے ہوا کرتے ہیں۔

٢. مسلمان اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر کے خیر کے کام کی بسم اللہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔

٣. کفار اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں میں پروپیگنڈا کرواتے ہیں۔

٤. پروپیگنڈے کے وقت میں اپنے بڑوں سے جڑے رہنے اور اِدھر اُدھر کی افواہوں پر کان نہ دھرنے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنے ہی میں حفاظت ہے۔

٥. دشمن کی جاسوسی کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

٦. کبھی اچھوں میں بُرے بھی شامل ہو جایا کرتے ہیں۔

٧. اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو کسی بھی چیز کی حسبِ موقع اطلاع دے دیا کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

٨. ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کرنا سینکڑوں گھرانوں کی آزادی کا ذَریعہ بنا۔

٩. ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے کا خیال رکھ کر سلوک کرنا چاہیے۔

١٠. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ سے بے انتہا محبت تھی، جس کی وجہ سے انھوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لوگوں کو آزاد کر دیا۔

١١. لوگوں کے کمالات کو تسلیم کرنا چاہیے اور انھیں بیان بھی کرنا چاہیے۔

......(جاری ہے)......

"اگلے امیدوار کو بھیجیں۔" سعد نے اپنے آفس کی آرام دہ کرسی کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ اپنے ریستوران کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے سبب اسے دو، تین سامان پہنچانے والے نوجوان درکار تھے۔ اسی سلسلے میں وہ آج اپنے دفتر میں بیٹھا امیدواروں سے ملاقات کر رہا تھا۔ کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے دفعتاً اس کی نظر دَروازے پر پڑی جہاں اگلا امیدوار اُس سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ یہی کیفیت آنے والے کی بھی تھی۔ سعد ایک لمحے میں اسے پہچان کر اپنے ماضی میں گم ہوگیا۔

......☆......

"سعد بیٹا! آج کھانا بازار سے لے آؤ، تمھاری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" عمران صاحب نے وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے اپنی جیب سے پیسے نکال کر سعد کی طرف بڑھائے۔

"جی اچھا ابو!" سعد پیسے لے کر بازار کی طرف چل پڑا۔ ان دنوں اس نے دسویں جماعت کے امتحان دیے تھے اور اَب وہ گھر پر چھٹیاں گزار رہا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس کے والد پر پچھلے سال فالج کا حملہ ہوا تھا۔ وہ سرکاری ملازم تھے۔ ادارے میں کام کرتے ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ سرکاری وظیفہ جاری ہوگیا، لیکن مہنگائی کے اس دور میں ان کا وظیفہ کافی نہ تھا، اسی لیے سعد کی امی آمنہ خاتون نے مجبوراً ایک اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ انھی سوچوں میں گم وہ ہوٹل پہنچا، سالن اور روٹی لے کر جلد ہی واپس پلٹ آیا۔ گھر آ کر اُس نے دسترخوان لگایا۔ تینوں نے کھانا شروع کیا، لیکن آمنہ خاتون چند لقموں سے زیادہ نہ کھا سکیں، شاید سالن میں استعمال ہونے والا گھی ناقص تھا۔ سعد کا دِل دکھ سے بوجھل ہوگیا، اسے اپنی بے بسی پر رونا آیا اور اِسی لمحے اس نے ایک فیصلہ کیا۔

......☆......

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 1000، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 750، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 500 روپے انعام دیا جائے گا۔ "بلاعنوان" کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 جولائی 2025 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

”سعد بیٹا! تمھیں کھانا پکانا سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں وقتی طور پر بیمار ہوئی تھی، اب تو میں کھانا پکا سکتی ہوں۔“ آمنہ خاتون نے پالک کاٹتے ہوئے کہا۔

”ارے بیگم! اس کی خواہش ہے تو اُسے کرنے دو۔ زیادہ سے زیادہ پکانے میں کچھ نئے تجربات کرلے گا۔“

”امی جان! آپ اسکول سے تھکی ہاری آتی ہیں اور آتے ہی کاموں میں لگ جاتی ہیں۔ میری گرمیوں کی چھٹیاں ہیں۔ آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔ براہ مہربانی، امی! انکار نہ کریں۔“ سعد نے لجاجت سے کہا۔

”ٹھیک ہے، جیسے تمھاری خوشی، بیٹا!“ آمنہ خاتون نے محبت سے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔

☆

سعد کو کھانا پکانا سیکھتے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ سر اشفاق صاحب بہت ہی محنتی اور اپنے فن کے ماہر تھے۔ ایک ہی ہفتے میں وہ کھانا پکانے سے متعلق بنیادی باتیں سیکھ چکا تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینا گزر گیا۔

☆

دسویں کا نتیجہ آ گیا تھا اور سعد نے نمایاں نمبرات سے کام یابی حاصل کی تھی۔ اب وہ کالج میں داخلے کے لیے بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ گھر سے غافل نہ تھا۔ وہ اپنے نام کے مطابق باسعادت تھا۔ کھانا پکانا سیکھنے کے بعد وہ آمنہ خاتون کا ہاتھ بٹاتا تھا، جس سے انھیں خاصی راحت ہوگئی تھی، لیکن وہ انھیں راحت پہنچانے کا سوچ رہا تھا۔

☆

گیارھویں جماعت کے ساتھ ساتھ اس نے شام کے وقت میں محلے میں ایک ٹھیلے پر بن کباب کا کام شروع کیا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے والدین کو اِس کام کے لیے راضی کیا۔ انھوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ پڑھائی متاثر نہ ہو۔

اس کے ساتھی اس کا مذاق بھی اڑاتے کہ لڑکیوں والے کام سیکھ رہا ہے۔

☆

وقت گزرتا گیا اور اُس نے بارھویں جماعت کا امتحان بھی

اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بن کباب کا کام بھی ترقی کر چکا تھا۔ اب اس نے ایک دکان کرائے پر لے لی تھی اور دولڑکے بھی کام پر رکھ لیے تھے۔ اس کی دکان کا بن کباب کھانے کے لیے لوگ دور دُور سے آتے تھے۔ آمنہ خاتون نے اسکول میں پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔ دکان سے آنے والی آمدنی ہی کافی ہوجاتی تھی۔ سعد بھی بہت خوش تھا، اس کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ وہ چھے ماہ بعد یہ دکان خریدنے والا تھا۔

......☆......

آج دس سال بعد وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور وَالدین کی دعاؤں کی بدولت اپنے ریستوران کا مالک تھا۔ ملازمت کے لیے بطورِ اُمیدوار آنے والا اس کا کالج کا ساتھی سلیم تھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جو کبھی اس کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ آج سعد اپنی بےعزتی کا بدلہ لینے پر قادر تھا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا، اس سعد نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سامان پہنچانے والی نوکری کے بجائے اپنے ہوٹل میں مینیجر کے عہدے پر رکھ لیا۔

''میں اپنے کیے پر سخت نادم ہوں۔ میں اور ناصر کبھی تمھارا مذاق اُڑاتے تھے، لیکن ہمیں اپنے کیے کی سزا بھی ملی۔ ہم دونوں ایک تنظیم میں شامل ہوگئے۔ شروع میں ہم نے خوب عیش کیے، لیکن پھر یونی ورسٹی کے ایک جھگڑے میں ہم دونوں جیل چلے گئے۔ میرے والد نے اپنی ایک زمین بیچ کر میرے لیے وکیل کیا۔ دو ماہ قبل میری ضمانت ہوئی۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردینا۔'' سلیم خاموش ہو چکا تھا۔ ندامت سے اس کا سَر اَب تک جھکا ہوا تھا۔

''وہ تو نادانی کا دَور تھا، اس لیے جو ہوا وہ بھول جاؤ۔ اپنے ماضی میں اُلجھنے کے بجائے اپنے مستقبل کو روشن بناؤ۔'' سعد نے مسکرا کر اُس کا حوصلہ بڑھایا۔ سلیم مطمئن ہو کر جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے ہوئے سعد نے اس کی آنکھوں میں امید کی کرن روشن دیکھی اور یہ بات اس کی روح تک کو سرشار کرگئی۔

جوابات

سوال آدھا، جواب آدھا (٦٧) کے درست جوابات

١ تین (حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام)۔

٢ 202 سال۔

٣ نورُالامین (23 اپریل 1972ء سے 13 اگست 1973ء تک) نائب صدر کے عہدہ پر فائز رہے۔ (نوٹ: نورُالامین پاکستان کے واحد نائب صدر تھے۔ اس کے بعد یہ عہدہ ختم کردیا گیا)۔

٤ سوڈان (یہ ملک بلحاظ رقبہ اسلامی دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ 2505810 مربع کلومیٹر ہے)۔

٥ میرے سنہرے بنگال! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں!

٦ پاکستان ملٹری اکیڈمی (یہ فوجی تربیت گاہ 1948ء میں ایبٹ آباد سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع مقام ''کاکول'' میں واقع ہے)۔

٧ دو ہفتے کے برابر۔

٨ یہ کسی سائنسی آلے کا نام نہیں، بل کہ جنگلوں میں پھرنے والے شخص کو ''دشت پیما'' کہا جاتا ہے۔

٩ فرد۔ ١٠ کسی چیز سے ڈرا ہوا اِس کی ہم شکل چیز سے بھی ڈرتا ہے۔

تعلیمی کھیل ١٧ کے درست جوابات

١ ہار۔ ٢ فکر۔
٣ سونا۔ ٤ بار۔
٥ کان۔ ٦ مغرب۔
٧ کل۔

ذوقِ معلومات (١١١) کا درست جواب

☆ ڈاکٹر عبدالقدیر خان مرحوم

احمد صاحب عصر کے بعد اِمام صاحب کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ ان سے اپنے بیٹے عبدالجواد کے لیے مشورہ کرسکیں۔ امام صاحب روزانہ عصر کے بعد مسجد میں مغرب تک بیٹھتے تھے، اس دوران میں محلے والے امام صاحب سے ملاقات کرکے اپنے مسائل ان کے سامنے رکھتے تھے، تاکہ امام صاحب ان کی راہ نمائی کرسکیں۔

محلے والے امام صاحب کی راہ نمائی سے بہت خوش تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے اچھے امام انھیں دیے ہیں۔ امام صاحب بھی پوری کوشش کرتے تھے کہ محلے والوں کے دل جیت سکیں، اس کے لیے وہ اہلِ محلہ سے ملاقات رکھتے تھے، اُن کی مزاج پرسی کرتے تھے اور اُن کی مختلف تقاریب میں بھی شرکت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات میں موقع کی مناسبت سے مسجد میں تربیتی سلسلے قائم ہوتے تھے۔ چند مہینے پہلے ہی رمضان المبارک کی مناسبت سے مسجد میں تجوید کی درستی اور دِینی مسائل بیان کرنے کے سلسلے قائم ہوئے تھے، جن میں ہر عمر کے لوگ شریک تھے۔

احمد صاحب بھی امام صاحب سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور اِمام صاحب کی باتیں آگے بیٹھ کر توجہ سے سنا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے اختتام پر اِمام صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا تھا کہ صدقہ فطر اور زکوۃ کی ادائیگی اور قربانی کرنے کے احکام ہمیں یہ بھی سکھاتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ اپنی نعمتیں بانٹنی چاہییں، اس کے لیے ہمیں اپنے بچوں کو بھی ابھی سے اس کی ترغیب

دینی چاہیے کہ وہ اپنی چیزیں دوسروں کے ساتھ بانٹنا سیکھیں۔ اس طرح ہم سب میں ایثار اور صلہ رحمی کا جذبہ پروان چڑھے گا اور نعمتوں کے ضائع کرنے سے حفاظت ہوگی۔

امام صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ ہمیں خوشیوں کے موقع پر اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہیے جو فلسطین اور دُنیا کے دوسرے ملکوں میں پریشانی اور کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے اور اپنی دعاؤں میں بھی انھیں یاد رکھنا چاہیے۔

احمد صاحب کا بیٹا عبدالجواد شہر کے ایک معروف ادارے میں پڑھتا تھا اور سترہ برس کا ہو چکا تھا اس کے علاوہ احمد صاحب کے دو بچے اور تھے، جو گیارہ اور نو برس کے تھے۔ احمد صاحب نے امام صاحب کے بیان کے مطابق عیدالفطر سے قبل صدقۂ فطر مستحق لوگوں کو اَدا کیا تھا اور پھر عید کے دن عید کی نماز کے بعد گھر آ کر بچوں کو عیدی دی تھی، جو بچوں نے بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وصول کی تھی۔

اس کے بعد چھوٹے بچوں نے بڑے بھائی سے عیدی مانگی تھی تو عبدالجواد نے کہا تھا کہ میں ابھی کہاں کماتا ہوں جو آپ لوگوں کو عیدی دوں؟ جب کمانے لگوں گا تو عیدی لے لیا کرنا۔ احمد صاحب، عبدالجواد کی بات سن کر چونک گئے تھے، لیکن انھوں نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ احمد صاحب نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ فلسطین کی امداد کے لیے بھی عبدالجواد نے اب تک کوئی رقم نہیں دی تھی۔

عید کے ایام ہونے کی وجہ سے احمد صاحب نے عبدالجواد سے اس وقت اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی اور رِشتے داروں سے ملاقات کے لیے سب گھر والے چلے گئے تھے۔ عید کے تینوں دن رشتے داروں سے ملاقات کی مصروفیت میں گزر گئے، جس میں سب کو بہت مزہ آیا۔ بچوں نے بھی خوب عیدی سمیٹی اور ایک دوسرے کے ساتھ خوب ہلا گلا کیا۔

عید کے بعد کچھ حالات کے پیشِ نظر اَحمد صاحب اس مسئلے پر دھیان نہیں دے سکے، یہاں تک کہ بقر عید آ گئی۔

بقر عید کے چوتھے دن عصر کے بعد اَحمد صاحب امام صاحب سے ملاقات کے لیے مسجد میں انتظار کرنے لگے۔ امام صاحب نے دیگر نمازیوں سے فارغ ہو کر اَحمد صاحب کی طرف دیکھا اور مسکرا کر سلام کیا، احمد صاحب نے بھی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور گویا ہوئے:

''حضرت! کیا حال ہیں؟''

جی، اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی سلامتی اور حفاظت سے رکھا ہوا ہے اور ہر نعمت عطا کر رکھی ہے۔'' امام صاحب نے جواب دیا۔

''بے شک، بے شک!'' احمد صاحب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''حضرت! آپ سے ایک ضروری مشورہ اپنے بیٹے عبدالجواد کے سلسلے میں کرنا ہے۔''

''جی، جی فرمایئے! میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔'' امام صاحب نے احمد صاحب کی بات کا جواب دیا۔

''دراصل عبدالجواد اَب سترہ برس کا ہو چکا ہے، لیکن اس کا ذہن یہ ہے کہ نیکی کے کام میں خرچ کرنے کے لیے پہلے انسان کو کمانا چاہیے اور اُس کے پاس مال ہونا چاہیے، اس وجہ سے اس نے پچھلی عید میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو عیدی بھی نہیں دی تھی اور اَب تک فلسطین کے لیے کوئی رقم بھی نہیں دی۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا نیکی کے کام میں خرچ کے لیے خود کمانا ضروری ہے؟''

''نہیں احمد صاحب! ایسی بات تو نہیں، درس کے دوران میں، ہم نے یہ بات پڑھی تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اس کی استطاعت نہیں رکھتا کہ روزے دار کو مکمل افطار کروائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیٹ بھر کر نہ کھلا سکو تو ایک کھجور ہی کھلا دو۔'' امام صاحب نے احمد صاحب کی بات کا جواب دیتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تو اَحمد صاحب نے بھی

اثبات میں سر ہلایا، جیسے انھیں بھی یہ بات یاد آ گئی ہو۔

اس کے علاوہ نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت کو ہمیں شروع سے بچوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ آگے چل کر بھی وہ اس خوبی پر عمل پیرا ہوں اور اپنی خواہشات پر زیادہ خرچ کرنے کے بجائے لوگوں کی مدد کرنے پر زیادہ متوجہ ہوں۔

قرآنِ کریم کی سورۂ قلم جو اُنتیسویں پارے میں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے چند لڑکوں کا ذِکر کیا ہے، جن کے والد کے پاس یمن کے قریب ایک باغ تھا اور وہ اس باغ کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتے تھے۔ والد کے دنیا سے جانے کے بعد لڑکوں نے سوچا کہ ہمیں سے دوسروں پر خرچ کرنے کے بجائے خود فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان لڑکوں میں سے جو سمجھ دار تھا اس نے باقی بھائیوں کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو اور غریبوں کی مدد جاری رکھو، لیکن دیگر بھائیوں نے اس کی بات نہ مانی۔

اس کے بعد اُن لڑکوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم صبح جلد جا کر باغ کی ساری پیداوار اُتار لیں گے اور غریبوں کو کچھ نہیں دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ جب وہ صبح باغ میں پہنچے تو باغ جل کر راکھ ہو چکا تھا اور ساری پیداوار ختم ہو گئی تھی۔

اس طرح جب ان لڑکوں نے دوسروں کی مدد سے پہلوتہی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اپنی مدد سے محروم کر دیا، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کی مدد کرتے رہیں اور بچوں میں بھی اس کی عادت ڈالیں، تاکہ ان میں بھی سخاوت کا جذبہ پیدا ہو۔"

احمد صاحب امام صاحب کی بات سن کر مطمئن ہوتے ہوئے گویا ہوئے: "آپ نے مجھے بہت تفصیل سے سمجھایا کہ نیک راہ میں خرچ کرنے کی عادت شروع سے ڈالنی چاہیے اور اِس کے لیے بہت مال ہونا بھی ضروری نہیں۔ اسی طرح خود کمانے کے انتظار میں نہیں بیٹھنا چاہیے، بل کہ جہاں تک ممکن ہو، نیک کام میں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتے رہنا چاہیے۔

اب یہ بتائیں کہ میں عبدالجواد کو یہ باتیں کیسے سمجھاؤں؟"

احمد صاحب نے امام صاحب سے مزید رَاہ نمائی لی۔

"ماشاءاللہ احمد صاحب! آپ بہت سمجھ دار اِنسان ہیں۔ انسان کو صحیح بات معلوم ہو جائے تو اُسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس صحیح بات پر عمل کس طرح کرنا ہے؟ جیسے ڈاکٹر جب مرض کی دوا دیتا ہے تو مریض صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا کہ دوا معلوم کر لے، بل کہ اس کے استعمال کا طریقہ وغیرہ بھی معلوم کرتا ہے، تاکہ اسے فائدہ ہو سکے، اسی طرح اچھی بات جان لینے کے بعد اُس پر عمل کا طریقہ بھی معلوم کرنا چاہیے، تاکہ فائدہ ہو اور دُنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوں۔"

امام صاحب نے احمد صاحب کو سراہتے ہوئے کہا۔

"عبدالجواد کو یہ بات سمجھانے کے لیے آپ اسے کہیں کہ امام صاحب آپ کو یاد کر رہے تھے، پھر اِن شاءاللہ تعالیٰ! میں اسے سورۂ قلم میں مذکور نوجوان لڑکوں کی زندگی سے حاصل ہونے والا سبق سمجھاؤں گا۔ آپ اس دوران میں خود بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں اور عبدالجواد کی والدہ کو بھی دعا مانگنے کی ترغیب دیں۔ امید ہے کہ عبدالجواد کو یہ بات سمجھ میں آ جائے گی اور اُس کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔" احمد صاحب نے امام صاحب کا بہت شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت لی اور گھر کی طرف چل دیے۔

اہلیہ کو تفصیل بتانے کے بعد احمد صاحب نے عبدالجواد کو بلایا اور اِمام صاحب کا پیغام دیا، جس پر عبدالجواد نے کہا کہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ امام صاحب اپنا قیمتی وقت ہمیں دے رہے ہیں۔ میں ان شاءاللہ تعالیٰ! ہر وقت تیار ہوں۔" احمد صاحب کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ انھوں نے کہا: "ٹھیک ہے، پھر کل مغرب میں امام صاحب سے ملاقات کر لیتے ہیں۔"

اگلے دن وہ دونوں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اِمام صاحب نے ان کی خاطر تواضع کے بعد حال احوال دریافت کیے اور پوچھا: "بھائی عبدالجواد! آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"جی، ابھی تو کالج کی چھٹیاں ہیں، اس لیے فی الحال فارغ ہوں۔" عبدالجواد نے جواب دیا۔

’’کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے والد صاحب کی اجازت سے میرا کچھ دن مطالعے میں ہاتھ بٹادیں اور کچھ تفسیروں سے میرے لیے نوٹ تیار کردیں؟‘‘ عبدالجواد کو یہ کام بہت دل چسپ معلوم ہوا، لیکن اس نے امام صاحب کو جواب دینے سے پہلے اس نے اپنے والد صاحب کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

’’جی بیٹا! ضرور، آپ امام صاحب کا تعاون کریں، یہ تو قرآن مجید کی خدمت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! ہم سب کو اِس کا ثواب ملے گا۔‘‘ عبدالجواد نے والد صاحب کی آمادگی دیکھ کر خوشی سے کہا کہ ’’جی حضرت! میں ان شاء اللہ تعالیٰ تیار ہوں۔‘‘ امام صاحب نے فرمایا: ’’الحمدللہ! بہت اچھی بات ہے، آپ یہ تین تفسیریں لے جائیں اور اِن میں سے سورۂ قلم میں ایک واقعہ آیا ہے جو باغ والے لڑکوں کا واقعہ کہلاتا ہے، اس کا خلاصہ کرکے کل مغرب میں میرے پاس لے آئیں۔‘‘ عبدالجواد نے تفسیریں وصول کرکے اجازت لی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ احمد صاحب نے بھی امام صاحب سے اجازت لی اور گھر روانہ ہوگئے۔

اگلے دن صبح فجر کے بعد عبدالجواد اِمام صاحب کی فراہم کردہ تفسیریں لے کر بیٹھ گیا۔ احمد صاحب نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا، دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا اور خود بھی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ عبدالجواد تقریباً دو گھنٹے تک کام کرتا رہا اور پھر کام مکمل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرکے دوسرے کاموں میں مشغول ہوگیا۔

مغرب کے بعد جب وہ امام صاحب کے پاس حاضر ہوا تو اِمام صاحب نے سلام دعا کے بعد مسکراتے ہوئے پوچھا: ’’بھائی عبدالجواد! خلاصہ تیار کرلیا؟‘‘

’’جی حضرت! یہ لیں۔‘‘ عبدالجواد نے گرم جوشی سے جواب دیتے ہوئے اپنا کام امام صاحب کے حوالے کردیا۔

’’بھائی ماشاءاللہ! آپ نے بہت تعاون کیا، اب ذرا اَپنی محنت پڑھ کر سنائیں تو آپ کو بھی خوشی ہوگی۔ امام صاحب کے کہنے پر عبدالجواد نے خوشی سے اثبات میں سر ہلایا اور آواز سے ٹُس پڑھ کر سنانے لگا۔ امام صاحب اس دوران میں ہمہ تن عبدالجواد کا تیار کردہ خلاصہ سنتے رہے اور اِختتام پر اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا: ’’آپ کے خیال میں ان لڑکوں سے کیا غلطی ہوئی تھی؟‘‘

عبدالجواد یہ سوال سن کر چونک گیا اور کہا: ’’حضرت! میں نے اس پہلو سے تو غور ہی نہیں کیا، میں تو صرف خلاصہ تیار کررہا تھا۔‘‘

’’کوئی بات نہیں بیٹا! اب غور کرلیں۔ قرآن مجید کی ہدایات اور واقعات میں ہم سب کے سیکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ آپ غور کریں، ان لڑکوں کا خیال تھا کہ سارا مال ہمارا ہے اور ہمارا خرچ بھی زیادہ ہے، اس لیے کسی کو دینے کی ضرورت نہیں۔ ان لڑکوں نے اپنے والد سے یہ نہیں سیکھا کہ لوگوں کی مدد کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، بل کہ ان کا خیال تھا کہ مال جمع کرنے سے برکت چلی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کا نتیجہ انھیں دکھادیا کہ مال صرف جمع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہ کرنے سے مال کی برکت جاتی ہے، اس لیے ہمیں جمع کرنے کے ساتھ خرچ بھی کرنا چاہیے۔

عبدالجواد کو اِحساس ہوا کہ اس کے دل میں جو خیال بیٹھا ہوا ہے کہ جب تک رقم اور کمانا نہ ہو تب تک نیک کام میں خرچ نہیں کرسکتے، یہ غلط خیال ہے۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ امام صاحب عبدالجواد کے چہرے کے بدلتے زاویے دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے۔ عبدالجواد نے امام صاحب کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی راہ لی۔

گھر پہنچ کر اُس نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے معذرت کرتے ہوئے انھیں گزشتہ عیدالفطر کی عیدی دی اور اہلِ فلسطین کی امداد کے لیے بھی حسبِ استطاعت رقم نکالی۔ احمد صاحب اور اُن کی اہلیہ یہ ساری صورتِ حال دیکھ کر بہت مطمئن تھے۔ انھوں نے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا اور اَگلے دن امام صاحب کے بھی شکرگزار ہوئے، جن کی راہ نمائی سے عبدالجواد کی ایک غلط سوچ، صحیح ہوگئی تھی۔

۳۵ انو منو کا دسترخوان

انعم توصیف۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انو منو کے دسترخوان کے قارئین کو نیا اسلامی سال مبارک ہو۔ ہر نیا سال ہمارے اندر کچھ نیا کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، کچھ نیا سیکھنے کا شوق پیدا کرتا ہے۔ دنیا کے علوم اور ہنر خوب سیکھیے۔ مسلمانوں کو دُنیا پر حکومت کرنی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر میدان میں آگے رہیں، لیکن بس قرآن پاک کو مت بھولیے گا، کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے بہت پیار سے اپنے نبی پاک ﷺ کو دی ہے، تاکہ وہ اس کتاب کو ہم تک پہنچائیں اور ہم اس کے مطابق عمل کر کے دین و دنیا کی کامیابیاں اپنے نام کر سکیں۔ اس نئے سال کے شروع میں اس بات کا عزم کر لیں کہ قرآن پاک سے پکی دوستی کرنی ہے، کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے جو ہر معاملے میں ہماری بہترین راہ نمائی کرتی ہے۔ اس سے راہ نمائی لے کر کام کرنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

چلیے، اس نئے سال میں کچھ نیا بناتے ہیں۔ سب سے پہلے اجزائے ترکیبی نوٹ کر لیجیے۔

اجزا:

مرغی کا گوشت (ہڈی کے بغیر)	ایک پاؤ
چاول	آدھا کلو
پیاز	4 عدد
ٹماٹر	3 عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لہسن ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچیں	14 عدد
ہرا دھنیا	ایک پیالی
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
پسا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
پسی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
چاٹ مسالا	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسبِ ضرورت

گھی	ایک پیالی
گرم مسالا	چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب:

بسم اللہ پڑھ کر شروع کرتے ہیں، تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہو جائے۔

سب سے پہلے مرغی کے گوشت کو اچھی طرح دھولیں۔ اب دو عدد چھوٹے سائز کی پیازیں لے کر چوپر مشین میں باریک پیس لیں۔ اس پیاز میں مرغی کے گوشت، دو عدد ہری مرچوں اور آدھی پیالی ہرا دَھنیا ڈال کر ساتھ ہی پیس لیجیے۔ اس طرح سب چیزیں اچھی طرح آپس میں مِل جائیں گی۔

اب اس آمیزے کو پیالے میں نکال کر اِس میں آدھا چائے کا چمچ پسی لال مرچ، گرم مسالا، حسبِ ضرورت نمک اور ایک چمچ گھی ڈال دیں۔ ان سب چیزوں کو اچھی طرح ملالیں اور چھوٹی چھوٹی گیندیں بنالیں۔

ایک فرائنگ پین میں تیل ڈال کر گرم کریں، اس میں احتیاط سے ان گیندوں کو تل لیں۔ مرغی کی گیندیں جب سنہرے رنگ کی ہو جائیں تو اُنھیں تیل میں سے نکال کر ایک پلیٹ میں رکھ لیں۔

یہ کام کا آدھا حصہ مکمل ہوا۔ ویسے آپ چاہیں تو پہلے ایک گیند تل لیں، اُسے چکھ لیں۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ نمک کم ہو تو آپ اسی وقت تھوڑا سا نمک مزید شامل کر سکتے ہیں۔ نمک کم ہو جائے تو مزید ڈالا جا سکتا ہے، لیکن زیادہ ہو جائے تو بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے، اس لیے دھیان سے مناسب مقدار میں نمک استعمال کیا کریں۔

اب ایک پتیلی لے کر اُس میں ایک پیالی گھی ڈال کر ہلکا سا گرم کریں، اب اس میں زیرہ ڈالیں۔ خوش بو آنے لگے تو اُس میں باریک کٹی ہوئی بڑے سائز کی دو عدد پیاز شامل کریں۔ پیاز کو سنہرا رنگ آنے تک پکاتے رہیں، پھر اُس میں ٹماٹر شامل کریں۔ اسے پانچ منٹ تک اچھی طرح بھونیں۔ اب ثابت ہری مرچیں ڈالیں اور آدھا کپ پانی ڈال کر پتیلی کو ڈھانپ دیں۔ ہری مرچیں چھوٹی والی لیجیے گا، اس سے ذائقے میں اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ!

دس سے پندرہ منٹ میں ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں تو اِس میں لہسن ادرک کا پیسٹ، آدھا چائے کا چمچ پسی مرچ، پسا دھنیا، پسی کالی مرچ، چاٹ مسالا، تھوڑا سا نمک، آدھی پیالی ہرا دَھنیا ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب اس میں مرغی کی گیندیں شامل کریں اور اُنھیں مسالے کے ساتھ تین سے چار منٹ تک کے لیے بھونیں، پھر اُنھیں آرام سے پلیٹ سے باہر نکال لیں۔ صرف گیندیں ہی باہر نکالنی ہیں، مسالا سارا پتیلی کے اندر ہی رہنا چاہیے۔

اب اس مسالے میں چاول شامل کریں۔ چاول میں تقریباً چار کپ پانی ڈالیں اور حسبِ ضرورت نمک شامل کریں۔ چاول کو مسالے اور پانی کے ساتھ ملائیں، پھر ذرا سا پانی چمچ کی مدد سے باہر نکالیں اور اُسے چکھ لیں۔ اس سے آپ کو نمک کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا، ان شاء اللہ! اگر مشکل ہو تو گھر میں کسی بڑے کی مدد لی جا سکتی ہے۔

اب تیز آنچ پر چاول کو پکنے دیں۔ پندرہ منٹ بعد جب چاول پکنے لگیں تو آنچ درمیانی کر دیں، پھر دَس منٹ بعد جب چاول تقریباً پک جائیں تو دھیمی آنچ کر دیں۔ چاول کو پکانے میں چولھے کی آنچ کا بہت خیال رکھا جاتا ہے، ورنہ چاول خراب بھی ہو سکتے ہیں۔

ویسے چاول پکانے کا طریقہ آپ کو پہلے بھی سکھایا جا چکا ہے، لیکن بار بار ہر بات کو تفصیل سے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کھانا پکانے کے ہنر میں آپ وقت کے ساتھ ساتھ ماہر ہوتے چلے جائیں۔ ان چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچ کر ہی انسان بڑی کام یابی تک پہنچتا ہے۔

چاول دم پر رکھتے وقت اس میں پلیٹ میں رکھی گیندیں شامل کریں اور اُنھیں احتیاط کے ساتھ چاولوں میں ملا دیں۔ اب دس منٹ کے لیے چاولوں کو دَم دیں۔ اب جب آپ ڈھکن ہٹائیں گے تو چاولوں کی خوش بو سے آپ کا باورچی خانہ مہک اٹھے گا، ان شاء اللہ!

بقیہ صفحہ نمبر 27

بکھرے موتی

قارئین

☆ استاد کا احترام علم کے دروازے کھولتا ہے۔
☆ جو وقت ضائع کرتا ہے وہ علم کا خزانہ گنوا بیٹھتا ہے۔
☆ جھوٹ کا انجام ہمیشہ شرمندگی ہوتا ہے۔
☆ معاف کرنا بہت بڑی خوبی ہے۔
☆ مسکرانا بھی ایک نیکی ہے۔

(فبیہا بنت فہد۔کراچی)

☆ زبان میٹھی ہو تو دِل بھی صاف رہتا ہے۔
☆ وعدہ پورا کرنا اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔
☆ جو دُوسروں کے کام آئے وہ بہترین انسان ہے۔
☆ بُرائی کا جواب بھلائی سے دینا اچھے اخلاق کی نشانی ہے۔
☆ قرآن پڑھنا دل کی صفائی ہے۔
☆ صبر کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

(اولیان بن فیضان۔کراچی)

☆ دین سیکھنے والے دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوتے ہیں۔
☆ ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا برکت کا ذَریعہ ہے۔
☆ چھوٹوں کو پیار دینا اور بڑوں کی عزت کرنا دِین سکھاتا ہے۔
☆ معافی مانگ لینا کمزوری نہیں، بڑے ظرف کی علامت ہے۔

(عمر فاروق۔گھوٹکی)

☆ نیت صاف ہو تو رَاستے خود بخود صاف ہونے لگتے ہیں۔
☆ غرور وہ دیمک ہے جو کردار کو اندر سے کھا جاتی ہے۔
☆ جس میں علم کا گھمنڈ ہو وہ جہالت کے دہانے پر ہوتا ہے۔
☆ رشتہ لفظوں سے نہیں، نرمی سے جیتا جاتا ہے۔
☆ سچ بولنے والا کبھی بھی تکرار نہیں کرتا، بس خاموشی سے جیت جاتا ہے۔

(باقر علی۔لودھراں)

☆ وقت ضائع کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔
☆ شکر گزار اِنسان ہمیشہ غنی ہوتا ہے، چاہے خالی ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔
☆ جھوٹ کے ذریعے جیتنا ممکن ہے، مگر عزت ہمیشہ سچ کے ساتھ رہتی ہے۔

(نازیہ عرفان۔اسلام آباد)

☆ جو معاف کرتا ہے، وہ دوسروں کو نہیں، خود کو سکون دیتا ہے۔
☆ خواب وہ نہیں جو نیند میں آئیں، خواب وہ ہیں جو نیند اُڑا دیں۔
☆ نیکی وہ بیج ہے جو کسی بھی مٹی میں پھول بن سکتا ہے۔
☆ حسد کرنے والا کبھی سکون کی نیند نہیں سوتا، کیوں کہ دوسروں کی خوشی اس کی نیند چُرا لیتی ہے۔

(عامر اعجاز۔کوہاٹ)

کام یابی گر چاہتے ہو

خرم فاروق ضیاء۔ ملتان

رات میں اٹھ کے رب کو منایا کرو
اور ندامت کے آنسو بہایا کرو

پیارے آقا کی سنت سے منہ موڑ کر
قبر میں ان کا دل مت دُکھایا کرو

دور ہو جائیں گی ساری بیماریاں
کھانا سنت طریقے سے کھایا کرو

دل میں ذرہ برابر تکبر نہ ہو
عاجزی کرکے رب کو دکھایا کرو

ختم ہو جائے گی گھر سے بے برکتی
گھر میں قرآن پڑھ کے سنایا کرو

بوڑھے ، لاچار لوگوں کی کردو مدد
اور بھوکوں کو کھانا کھلایا کرو

شوق سے پنج گانہ نمازیں پڑھو
ذمے داری سے مسجد میں جایا کرو

اپنے چھوٹوں پہ شفقت ، محبت کرو
اور بڑوں کو نہ ہرگز ستایا کرو

کام یابی اگر چاہتے ہو ضیا
اپنی ہر ذمے داری نبھایا کرو

بوتل کا بادل!

ڈاکٹر عاصم بھروچہ۔ کراچی

کبھی آسمان صاف ہوتا ہے اور کبھی ابر آلود، مگر اَبر سے آلود بادل ضروری نہیں کہ آلودگی کا ہی شاخسانہ ہو۔ جو لوگ کوہ مری یا دِیگر پہاڑی علاقوں میں سے کسی جگہ کی سیر کر کے آئے ہیں انھوں نے تو بادل کو ہاتھ بھی لگایا ہوگا۔ وہ لوگ جو دُھند میں سے گزر چکے ہیں تو اُنھیں بھی یہ بتاتا چلوں کہ دھند بھی دراصل بادل ہی ہیں۔

اگر آپ کا کبھی ایوں بادلوں میں اڑنے کا شوق پیٹ میں اُبال اٹھائے تو یوں کر لیں:

ضروری ساز و سامان:

☆ ایک عدد پلاسٹک کی خالی بوتل
☆ تھوڑا سا گرم پانی
☆ ماچس یا لائٹر
☆ کچھ قطرے الکحل
(Rubbing Alcohol)

طریقۂ کار:

❶ بوتل میں ایک چوتھائی گرم پانی ڈال کر تھوڑا سا ہلائیں۔

❷ بوتل کھول کر اَندر Rubbing Alcohol کے چند قطرے ڈال کر بوتل کو بند کر دیں اور زور سے ہلائیں۔

❸ اب بوتل کھولیں، بڑے بھائی یا آپی کو کہیں کہ ماچس جلائیں (صرف ذرا سی روشنی کے لیے، آگ نہیں لگانی!) اور بوتل کے منہ پر ایک سیکنڈ کے لیے رکھ کر فوراً بوتل بند کر دیں۔

Step 1

Step 2

Step 3

Step 4

❹ بند کرنے کے بعد بوتل کو دُبائیں اور چھوڑیں، اندر بادل بن جائے گا۔ ہاں، اصلی بادل، جو بارش برسنے سے پہلے بنتا ہے۔

یہ ہوا کیا؟

گرم پانی اور Alcohol کے بخارات بوتل میں اُڑتے ہیں۔ جب بوتل کو دباتے ہیں تو اَندر کا دباؤ بڑھتا ہے اور جب اچانک چھوڑتے ہیں دباؤ کم ہو جاتا ہے اور بخارات اچانک بادل بن کر اُبھر آتے ہیں۔ یہ عمل کہلاتا ہے:

Condensation under pressure drop

......☆......

اس طرح ہم پانی کی بوتل میں بادل بنانے میں کام یاب ہوئے یا کم از کم اتنا دھواں ضرور بنا کہ چھوٹے بھائی بہن پوچھیں: ''یہ کیا ہوا؟''

جس طرح ہمارے وہم و گمان میں بوتل میں بادل کا کوئی تصور نہیں تھا، اسی طرح کبھی کبھی دل پر بھی غم کے بادل آجاتے ہیں، ایسے موقعوں پر کسی قابل اعتماد بڑے، جیسے والدین یا آپی وغیرہ کو یا کسی نیک انسان کو بتا کر اپنے دل کا دباؤ کم کر لینا چاہیے، تاکہ پُرسکون ہو جائیں۔

① قرآن مجید میں حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ تین سورتوں (سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ نمل) میں آیا ہے...... بتایئے حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

② خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مہر خلافت پر ''القادر اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے...... بتایئے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مہر خلافت پر کون سے الفاظ کندہ تھے؟

③ ''غنیۃ الطالبین'' حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے...... بتایئے مشہور کتاب ''کشف الاسرار'' کے مصنف کون ہیں؟

④ برونائی دارالسلام نے یکم جنوری 1984ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی...... بتایئے تاجکستان کب اور کس ملک کی غلامی سے آزاد ہوا تھا؟

⑤ مشہور نظم ''پیسا نامہ'' اردو زبان کے سب سے پہلے عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی نے لکھی تھا...... بتایئے مشہور نظم ''روٹی نامہ'' کس شاعر کی تخلیق کردہ ہے؟

⑥ ''بن قاسم پورٹ'' کا تعلق پاکستان سے ہے...... بتایئے ''اسکندریہ پورٹ'' کا تعلق کس ملک سے ہے؟

⑦ امریکی عوام 4 جولائی کو یومِ آزادی مناتے ہیں...... بتایئے فلپائن کے عوام ماہِ جولائی کی کس تاریخ کو اپنا یوم آزادی مناتے ہیں؟

⑧ دنیا میں سب سے پہلے زیر زمین ریلوے نظام کا افتتاح 1863ء میں انگلینڈ کے دارالحکومت لندن میں ہوا تھا...... بتایئے فرانس کے دارالحکومت پیرس میں زیرِ زمین ریلوے نظام کا افتتاح کس سن میں ہوا تھا؟

⑨ ''لوہا'' (Iron/Ferrum) ایک کیمیائی عنصر ہے۔ اسے کیمیائی علامت ''Fe'' سے ظاہر کیا جاتا ہے...... بتایئے ''Be'' کس عنصر کی کیمیائی علامت ہے؟

⑩ ''جس ہانڈی میں کھانا اس میں چھید کرنا'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''جس سے فائدہ اٹھانا اسی کو نقصان پہنچانا''...... بتایئے ''جو گڑ سے مرے اسے زہر کیوں دیا جائے'' کا کیا مطلب ہے؟

اس کھیل میں چند جملے ہیں،
ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔
پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱ جولائی تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کردیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔
کوپن پُر کرکے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

گہرا تعلق

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

احمر اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے اداس بیٹھا تھا۔ گود میں کھلی کاپی اور ہاتھ میں پنسل تھی۔ اس کا دھیان پڑھائی کی طرف نہ تھا۔ نظر باغیچے میں لگے درختوں اور اُن پر چہچہاتے پرندوں پر تھی۔ شیشے کی بڑی سی کھڑکی سے باہر جھانکنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ آزادی سے اِدھر اُدھر اڑتے پرندوں کو وہ حسرت سے دیکھتا۔

''کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں یہ پرندے۔'' اس نے ہر مرتبہ کی طرح سوچا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجاؤ۔'' وہ بولا۔

''چھوٹے صاحب! دوپہر کے کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔ کھانا لے آؤں؟'' بخشو چاچا نے پوچھا۔ وہ ان کے گھر کے پرانے ملازم تھے۔

''امی ابو کے ساتھ کھاؤں گا۔''

''مگر صاحب جی اور بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ وہ کسی تقریب میں گئے ہیں، دیر سے آئیں گے۔ انھوں نے کہا تھا کہ آپ کو کھانا وقت پر دے دوں۔''

بخشو چاچا کی بات سن کر وہ ٹھٹکا۔ ہفتے میں ایک دن چھٹی کا ملتا اور اُس دن بھی والدین اس کے ساتھ نہ ہوتے۔

''مجھے بتایا بھی نہیں۔ ابھی کل رات ہی تو امّی کمرے میں آئی تھیں۔ امتحان میں نمبر اچھے نہیں آئے تو کتنا ڈانٹا۔ بس نمبرات ہی چاہییں انھیں، میری تو فکر ہی نہیں۔'' وہ بڑبڑایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

گھر میں ہر چیز کی فراوانی تھی۔ کچھ نہیں تھا تو احمر کے والدین کے پاس اس کے لیے وقت۔ اس کے والد نامی گرامی تاجر تھے اور والدہ سرکاری افسر۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ آج سے کچھ ماہ پہلے سب مختلف تھا۔ ایک تلخ یاد ذہن میں آتے ہی اس نے بے ساختہ جھرجھری لی۔ اس کی نم آنکھیں اپنے وجود پر پڑیں۔ ٹپ ٹپ آنسو گود میں گرنے لگے۔ ایک دم ہی ہر چیز سے اس کا دل اُچاٹ ہوگیا۔

شام ڈھلنے سے قبل امی ابو گھر آئے تو وہ اپنے کمرے میں

اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے احمر!؟ آپ نے دوپہر کا کھانا کیوں نہیں کھایا؟“ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اماں نے پیار سے پوچھا۔

”جائیں یہاں سے۔ کوئی بات نہیں کرنی مجھے۔“ ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ غصے سے بولا۔

”احمر! تمیز سے بات کرو۔ بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔“ انھوں نے اسے ڈانٹا۔

”نہ آپ کو میرا خیال ہے نہ ابا کو۔“ اس نے تیز آواز میں کہا۔

”تمھیں خیال ہے ہمارا؟ نہ ڈھنگ سے پڑھتے ہو، نہ اچھی طرح پیش آتے ہو۔ بس تنگ کرتے ہو۔ کمرے تک محدود کر لیا ہے خود کو۔“ اماں نے کہا۔

”میں بخشو کو بھیج رہی ہوں۔ اپنا حلیہ درست کرو اور اُس کے ساتھ نیچے آؤ۔ سمجھ گئے؟“ انھوں نے اسے تنبیہ کی۔ وہ چپ رہا۔

پندرہ بیس منٹ بعد بخشو چاچا اس کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے نیچے برآمدے میں لے آئے۔ اماں کچھ کام کر رہی تھیں۔ ابا فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ بیٹے کو دیکھ کر اُنھوں نے ہاتھ کے اشارے سے حال چال پوچھا۔ وہ چپ چاپ برآمدے میں بیٹھا رہا۔ ابا کی ہنسی بتا رہی تھی کہ وہ کسی دوست سے بات کر رہے ہیں۔

”جب مجھ سے بات ہی نہیں کرنی تو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔“ احمر نے دل میں سوچا۔ جب تک ابا نے کال ختم کی وہ بور ہو چکا تھا۔

”کیسا ہے میرا بیٹا!؟ کیسا گزرا دِن؟“ انھوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بے کار!“ اس نے یک لفظی جواب دیا۔

”کیوں بھئی؟ باہر چلے جاتے، بخشو کو کہنا تھا کہ تمھیں پاس والے باغ میں لے جاتا۔ چھٹی والے دن خوب رونق ہوتی ہے وہاں۔ دل بہل جاتا۔“

”میرا دِل آپ لوگوں کے ساتھ بہلتا ہے۔ دوسروں کے بچوں کو دیکھ کر نہیں۔“ اس نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

”اونہہ ہوں۔“ کہہ کر اُنھوں نے موبائل پر آتی کال اٹھائی اور کھانے کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے گہری سانس بھری۔ بخشو چاچا رات کا کھانا لگ جانے کی اطلاع دے چکے تھے۔

......☆......

اسکول سے ہفتہ بھر کی چھٹیاں تھیں۔ احمر گیم کھیل کر تھک گیا تو بالکونی میں آ گیا۔ یہاں سے باغ کا عقبی حصہ واضح نظر آتا تھا۔ باغ میں کھیلتے ہوئے بچوں کی آوازیں یہاں تک آتی تھیں۔ وہ مگن انداز میں انھیں دیکھتا رہا۔ تبھی اس کی نظر ایک جھاڑی کے پیچھے پڑی۔ وہ چونک گیا۔ وہاں میلے کچیلے کپڑوں والا ایک بچہ چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس ہی کچرے کا تھیلا دھرا تھا۔ کبھی وہ سر اُٹھا کر بچوں کو دیکھتا، تھوڑا آگے کھسکتا اور یک دم پیچھے ہو کر جھاڑی کی اوٹ میں ہو جاتا۔

”ہونہہ! لگتا ہے، کوئی چور اُچکا ہے۔ ضرور کسی چیز پر نظر رکھے بیٹھا ہے۔ موقع ملتے ہی لے کر بھاگ جائے گا۔“ احمر بڑبڑایا۔ اب اس کی نظروں کا محور وہ بچہ اور اُس کی حرکات تھیں۔ تبھی ایک اچھے حلیے والے نوعمر لڑکے کی نظر بچے پر پڑی اور اُسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔

”افسوس! وہ کیا کرتا، یہ دیکھنے نہیں دیا۔“ احمر بدمزہ ہوا اور اپنی وہیل چیئر کا بٹن دبا کر رُخ کمرے کی طرف کر لیا۔

اگلے روز وہ کل والے وقت پر بالکونی میں آ گیا۔ جھاڑی کے پیچھے چھپے اسی بچے کو دیکھ کر احمر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

”آج یہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔“ اس نے خود کلامی کی۔ غریب بچہ بے خبر تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں آ چکا ہے۔ احمر گھنٹا بھر اُسے دیکھتا رہا، مگر وہ بچہ اس کی توقع پر پورا نہ اترا۔ وہ غریب بس خوش حال دکھائی دینے والے بے فکری سے کھیلتے بچوں کو دیکھتا رہتا، تب تک جب تک کوئی آ کر اُسے بھگا نہ دیتا۔ رات کو بستر پر لیٹ کر احمر لاشعوری طور پر اُس بچے کے بارے سوچتا رہا۔

نیا دِن چڑھ چکا تھا۔ آج احمر کافی پُرجوش لگ رہا تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کیا اور بالکونی سے جھانکا۔ منظر پہلے دو دِن جیسا

تھا۔ اس نے بخشو چاچا کو آواز دی:

''چاچا! مجھے باغ میں لے چلیں۔''

''ضرور چھوٹے صاحب!'' احمر کی خواہش پر وہ اسے باغ کے عقبی حصے میں لے آئے۔

''بات سنو! تم یہاں کیا کرتے ہو روز؟'' عین اس بچے کی پشت پر جا کر احمر نے سوال کیا۔

وہ گھبرا کر سیدھا ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ بھاگتا احمر چلایا:

''ڈرو نہیں، رکو۔ مجھے تم سے بس بات کرنی ہے۔ میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' اپنے ہم عمر غریب بچے کو اُس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بچہ ڈرا سہما سا وہاں کھڑا رہا۔ وہ عجیب نظروں سے وہیل چیئر پر بیٹھے ایک خوش حال ننھے لڑکے کو دیکھتا رہا۔

احمر کے کہنے پر بخشو چاچا کھانے کے لیے چپس وغیرہ لینے چلے گئے۔

''کیا تم گونگے ہو، بول نہیں سکتے؟'' احمر نے پوچھا۔ بچہ خاموش رہا۔

''اُف! کیا بہرے بھی ہو۔ سن نہیں رہے؟'' وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔

''نہیں تو۔'' بچے نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''کیا نام ہے تمھارا؟''

''زاہد!''

''کیا کرتے ہو؟''

''کچرا چنتا ہوں۔''

''والدین کیا کرتے ہیں؟'' احمر نے اگلا سوال کیا۔

''کبھی دیکھے ہی نہیں۔ ہمیشہ سے یتیم ہوں۔''

جواب سن کر کچھ لمحے کے لیے وہ بول نہیں سکا تھا۔

اس سے مزید باتیں کر کے جب احمر گھر لوٹا تو گم صُم سا تھا۔

رات کو اَماں اس کے کمرے میں آئیں تو وہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے بولا:

''السلام علیکم اماں!''

''وعلیکم السلام۔ کیسا ہے میرا بیٹا!؟ کیسا دن گزرا۔'' انھوں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا۔ ابا کب آئیں گے؟''

اس کے ابا تجارت کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے دوسرے ملک گئے ہوئے تھے۔

''کل یا شاید پرسوں۔''

''ہمم!''

''کوئی بات ہے کیا؟ کچھ منگوانا ہے ابا سے کیا؟'' اس کی خاموشی دیکھ کر انھوں نے اندازہ لگایا۔

''نن...... نہیں۔ سب کچھ ہی تو ہے۔'' وہ بولا۔

''پھر، کوئی اور بات ہے کیا؟''

''اماں دراصل مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔''

دھیرے دھیرے وہ انھیں زاہد اور اُس سے ہوئی ملاقات بارے بتانے لگا۔ اس کی فرمائش سن کر وہ حیران رہ گئیں۔

اگلے روز احمر باغ میں پہنچا تو زاہد اُس کا منتظر تھا۔

''کیسے ہو دوست!؟'' احمر نے پوچھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''صاحب! آپ نے مجھے دوست کہا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''اوہو، تم مجھے صاحب نہ کہو۔ ہم عمر ہونے کے ناتے مجھے تم نام سے پکار سکتے ہو۔'' اک پھولا ہوا تھیلا زاہد کے حوالے کرتے ہوئے اس نے کہا۔ پہلے تو وہ ہچکچایا پھر چیزوں سے بھرا تھیلا پکڑ لیا۔ احمر اُس کے لیے اپنے کپڑے، جوتے، کتابیں اور کھلونے لایا تھا۔

''بہت شکریہ۔ تم بہت اچھے ہو۔'' اس نے احمر کا شکریہ ادا کیا، پھر ڈرتے ڈرتے بولا:

''اگر بُرا نہ مانو تو اک بات پوچھوں؟'' اس کی وہیل چیئر کو دیکھتے ہوئے زاہد نے کہا۔

''مجھے پتا ہے تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ یہی کہ میں شروع سے معذور تھا یا اب ہوا؟ تو دوست بات یہ ہے کہ میں دوسرے بچوں جیسا تھا، صحت مند۔ ان کی طرح ہی کھیلتا کودتا اور بھاگتا دوڑتا تھا۔ باغ میں کھیلتے بچوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے احمر نے دھیمی آواز میں بتایا۔

''تو پھر؟'' زاہد نے پوچھا۔

''چند ماہ قبل ہم گھومنے پھرنے گئے تھے۔ جہاں ہماری رہائش تھی وہاں نزدیک سڑک پر رَش ہوتا تھا۔ اماں ابا نے مجھے بہت سمجھایا تھا کہ کھیلتے ہوئے ادھر نہ جانا۔ وہاں میرے ساتھ حادثہ ہوا تھا۔'' احمر نے اداسی سے بتایا۔ زاہد نے دیکھا کہ وہ رو رہا تھا۔

''اوہ۔ رومت دوست!'' اس نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ میرے ٹھیک ہونے کے امکانات ہیں۔ میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہوں۔ باہر کے ملک میں علاج ممکن ہے، مگر اماں ابا کے پاس مجھے باہر لے جانے کا وقت ہی نہیں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے افسردگی سے بولا۔

''تم اداس نہ ہو، دیکھنا تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' زاہد نے پُریقین انداز میں کہا تو احمر پھیکی ہنسی دیا۔

''اگر سب ٹھیک ہو گیا تو ہم دونوں کھیلا کریں گے۔'' وہ بولا اور دونوں ہنسنے لگے۔

احمر جان چکا تھا کہ زاہد جھاڑی کے پیچھے چھپ کر دُوسرے بچوں کو کھیلتے ہوئے اس لیے دیکھتا ہے کہ کوئی اسے اپنے ساتھ کھیلنے نہیں دیتا، اس لیے کہ وہ گندے حلیے والا کچرا چننے والا بچہ ہے۔ اسے بچے پسند نہیں کرتے۔ اس کا کوئی دوست بھی نہ ہے۔ زاہد پڑھنا لکھنا اور دوسرے بچوں جیسا بننا چاہتا ہے۔

وہاں سے آنے سے پہلے احمر نے زاہد سے وعدہ لیا کہ کل وہ اس کے دیے ہوئے نئے کپڑے پہن کر آئے۔ زاہد نے بخوشی سر ہلا دیا تھا۔

دو روز بعد ابا واپس آئے تو بہت مطمئن لگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اُنھیں اچھا لگا کہ احمر بھی کھلا کھلا سا ہے۔

''میرے پاس آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے۔'' احمر کو پیار کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

''وہ کیا؟'' احمر نے پوچھا۔

''ایک مشہور غیرملکی سرجن ہیں، میں کافی عرصے سے ان سے ملاقات کی کوشش کر رہا تھا۔ ابھی ان سے ملاقات ہوئی، تمھاری رپورٹیں دکھائیں۔ انھوں نے وقت دے دیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ ان شاء اللہ! ان کے علاج سے تم پہلے جیسے ہو جاؤ گے۔'' پاپا نے بتایا تو اَحمر خوشی سے چہک اٹھا۔

''ہرے ے ے ے۔ سچ کہہ رہے ہیں نا ابا!''

''بالکل سچ بیٹے! تمھارے اسکول سے بات ہو گئی ہے۔ جلد ہی ہم بیرون ملک جائیں گے۔'' انھوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔

''معذرت ابا! میں کتنا غلط سمجھتا رہا۔ مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔ وعدہ کریں میری بات مانیں گے۔'' احمر نے لاڈ سے کہا۔ انھوں نے اس کی اماں کی طرف دیکھا۔

احمر باہر جانے سے پہلے زاہد سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش پر بخشو چاچا اسے گھر لے آئے۔ دوست کا محل نما گھر دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

......☆......

انھیں ملک سے باہر گئے قریباً تین ہفتے گزر چکے تھے۔ زاہد سے ملنے کے بعد اُس میں بہت بدلاؤ آیا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کے پاس ایسا بہت کچھ ہے جس کی اسے قدر نہیں اور لاکھوں بچے اس کو ترستے ہیں۔ احمر علاج کے لیے جتنا پُرجوش تھا اتنی ہی ہمت اس نے دوران علاج دکھائی تھی۔ باقاعدگی سے ورزش کرنا اور ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرنا اس نے خود پر فرض کر لیا۔ اس دوران میں ایک ہفتہ ابا اس کے پاس رہے، پھر اماں آ گئیں۔

اب وہ اپنے پاؤں پر زور ڈالنے لگا تھا۔ اس میں آتی بہتری پر سب بہت خوش تھے۔

ایک ماہ بعد جب وہ گھر لوٹے تو بہت کچھ بدل چکا تھا۔ وہیل

چیئر پر جانے والا احمر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اپنے پاؤں پر چل کر واپس آیا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھے تھے کہ اک مانوس آواز اُسے سنائی دی:

''کیسے ہو دوست!؟''

احمر یک دم پلٹا اور اپنے سامنے کھڑے زاہد کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ تو پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ صاف ستھرے کپڑے، سلیقے سے بنے بال اور اچھا حلیہ۔

''ابا! یہ......''

اس نے فوراً اپنے ابا کی طرف دیکھا۔

''آپ کا دوست اب یہیں رہتا ہے۔ اس کا اسکول میں داخلہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میرا بیٹا کوئی فرمائش کرے اور میں پوری نہ کروں۔''

انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو اَحمر زاہد کے گلے لگ گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ جانے سے قبل اس کے ابا نے زاہد کے بارے میں معلومات کروائی تھی۔ وہ ذہین اور اِحساس کرنے والا تھا۔ یتیم تھا، کچرا چنتا اور یوں اپنا پیٹ بھرتا۔ اس میں چوری چکاری اور نشے جیسے کوئی بُری عادت نہیں تھی، اس لیے وہ زاہد کو گھر لے آئے۔ انھیں یقین تھا کہ احمر کی طرح پڑھ لکھ کر زاہد بھی ایک دن اچھا شہری بنے گا اور ملک و قوم کا نام روشن کرے گا۔

احمر اور زاہد اب باغ میں کھیلنے جاتے ہیں۔ وہاں کھیلنے والے سب لڑکے اب زاہد کے دوست بن چکے ہیں۔

۱۱۳

ذوقِ معلومات

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے درست جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اَپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱ جولائی تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کون ہیں؟

۱ یہ بنو تمیم قبیلے کے ایک مشہور فوجی سردار تھے، جنھیں ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کو روکنے کے لیے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا تھا۔

۲ ابتدا میں ان کا کردار کربلا کے میدان تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لے جانے تک محدود تھا، لیکن بعد میں حق کی پہچان نے ان کے دل کو جھنجھوڑ دیا۔

۳ پوری رات انھوں نے بے قراری میں گزاری اور صبح ہوتے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں معاف کر دیا۔

۴ انھوں نے اپنے بیٹے، بھائی اور غلام کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی فوج میں شمولیت اختیار کی۔

۵ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے شہادت کا رتبہ پایا۔

سعد علی چھیپا۔ کراچی

''میں تیار ہوں۔'' لبابہ نے کہا۔ آج وہ اپنے ابو اور امی کے ساتھ باغ میں جا رہی تھی، جہاں بہت بڑے میدان میں ڈھیر سارے جھولے تھے۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اُس کے ساتھ اس کی پکی سہیلی خنساء اور اُس کا چھوٹا بھائی خبیب بھی جا رہے تھے۔ خنساء اور لبابہ آپس میں چچازاد بہنیں ہیں۔ ان کے گھر ایک ہی گلی میں ہیں۔

''امی! کیا اب ہم چلیں؟'' لبابہ نے بے تابی سے کہا، مگر اُس کی امی باورچی خانے میں برتن سمیٹنے میں اور بابا گاڑی صاف کرنے میں مصروف تھے۔

انھوں نے کہا: ''بس بیٹی! میں کام سمیٹ لوں، ان شاء اللہ! ہم ایک منٹ میں چلتے ہیں۔''

جلد ہی امی اور بابا تیار ہو گئے۔ وہ تینوں خنساء کو لینے اس کے دروازے پر گئے۔ لبابہ نے دستک دی، خنساء کے ابو نے دروازہ کھول کر کہا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بھائی جان! اندر آجایئے۔''

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نہیں بھائی! ہمیں پہلے ہی کافی دیر ہوگئی ہے، بچے تیار ہیں تو اُنھیں بھیج دیجیے۔''

سلام کا جواب دیتے ہوئے لبابہ کے ابو نے کہا تو خنساء کے ابو نے آواز لگائی: ''بیگم! کھانا تیار کرنے میں اور کتنی دیر لگے گی؟''

خنساء کی امی ٹفن میں کھانا رکھنے میں مصروف تھیں۔ انھوں نے جواب دیا: ''بس ایک منٹ۔''

خنساء اپنے چھوٹے بھائی خبیب کے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی۔ لبابہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی:

''میں تیار ہوں، بس ایک منٹ میں آ رہی ہوں۔'' خنساء واقعی تیار تھی۔ وہ سب بس اڈے جانے کے لیے روانہ ہوئے، لیکن راستے میں بابا کی ملاقات ان کے ایک دیرینہ دوست سے ہوئی اور وہ ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کرنے کے لیے رک گئے۔

''بابا، بابا! ہماری بس چھوٹ جائے گی۔'' لبابہ نے بابا کی آستین کھینچتے ہوئے کہا۔

''بس ایک منٹ بیٹی!'' بابا نے کہا، مگر وہ بدستور باتیں کرتے رہے اور اُن کی بس چھوٹ گئی۔

لبابہ کو منہ بسورے دیکھ کر اُمی دلاسا دیتے ہوئے بولیں: ''کوئی بات نہیں میری بچی! ابھی دوسری بس آ جائے ہوگی۔''

''ایک منٹ میں!'' لبابہ نے بے ساختگی سے کہا۔

انھیں کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ بالآخر بس آ ہی گئی اور وہ بس میں سوار ہو کر باغ پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے، مگر وہ ابھی باغ کے دروازے سے اندر جانے ہی والے تھے کہ امی کی پکی سہیلی مل گئیں۔ امی اپنی سہیلی کے ساتھ اور بابا ان کے شوہر کے ساتھ بات چیت کے لیے وہیں رک گئے۔

''امی! کیا ہم باغ میں جا سکتے ہیں؟''

لبابہ نے خنساء کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو باتوں میں مصروف امی نے جواب دیا۔ ''بس ایک منٹ میرے بچو!''

پھر چند منٹوں میں وہ سب باغ کے اندر دَاخل ہو چکے تھے۔

''بابا! اس طرف چلیں، جھولے وہاں پر ہیں۔'' خنساء اور لبابہ نے کہا، مگر اُمی اور بابا ایک مرتبہ پھر رُک گئے تھے۔ وہاں ایک آدمی آواز لگا کر کچھ چیزیں بیچ رہا تھا۔

لبابہ نے اپنے بابا کا بازو پکڑ کر کھینچ کر متوجہ کرنا چاہا، مگر بابا نے کہا:

''صبر، ایک منٹ لبابہ!''

ننھی بچی لبابہ فرماں برداری سے سر جھکا کر بولی: ''جی بابا!''

اب وہ سب چلتے ہوئے چھوٹے سے تالاب کے کنارے چلے آئے، جہاں پانی میں کچھ بطخیں تیر رہی تھیں اور کچھ کنارے پر بھاگ رہی تھیں۔ ننھا خبیب اپنے تایا کا ہاتھ چھڑا کر بطخ کے پاس جانے کی ضد کرنے لگا۔

''چلو، آؤ بچو! بطخوں کو پاپ کارن کھلاتے ہیں۔'' امی نے کہا۔

دور سے جھولے دکھائی دے رہے تھے۔

خنساء دوڑ کر اُس سمت جانے لگی تو لبابہ کی امی اسے روکتے ہوئے بولیں: ''خنساء بیٹی! یہیں کھڑی رہو۔ ہم سب ایک منٹ بعد تمھارے ساتھ آگے چلیں گے۔''

پھر وہ بطخوں کے تالاب سے آگے بڑھے۔ اب وہ سب ٹہلتے ہوئے جھولوں کے پاس پہنچ گئے، مگر یہ کیا؟ اس راستے پر لوگوں کا بے تحاشا رش تھا۔

لبابہ اور خنساء نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بولیں: ''اوہ، اس طرح تو ہم جھولوں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔''

بابا نے شفقت سے خنساء کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا: ''میری بچی! اتنی مایوسی؟ صبر، ہم بس ایک منٹ میں وہاں ہوں گے۔''

اور آخر کار وہ جھولوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ خنساء اور لبابہ بھاگتی ہوئی جھولے کی طرف گئیں، لیکن وہاں جیسے جم کر رہ گئیں۔ تمام جھولوں کی رسیاں ٹوٹ کر ایک طرف کو لٹک رہی تھیں، اونچ نیچ (see saw) ٹوٹا ہوا تھا، اور پھسل پٹی (slide) کے آگے بہت ساری کانٹے دار جھاڑیاں رکھی تھیں، بجلی والے

تمام جھولے زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔

خنساء اور لبابہ نے بے ساختہ چیختے ہوئے کہا: ''اللہ، اللہ! یہ ہمارے ساتھ کچھ بھی اچھا نہیں ہو رہا۔''

اچانک خبیب بابا کا ہاتھ چھڑا کر تیزی سے ایک طرف تیزی سے بھاگا۔

''ارے لبابہ کے بابا! جلدی سے اس کے پیچھے جایئے۔'' امی گھبراہٹ میں بولیں۔

لبابہ اور خنساء نے دوڑ لگا دی اور جلد ہی شرارتی بچے کو کونے پر جالیا، مگر کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ انھوں نے وہاں کیا دیکھا؟

جھولوں کی ایک بہت ہی زبردست نئی جگہ۔

''واہ!'' لبابہ خوشی سے چہک اٹھی۔

''زبردست!'' خنساء نے بھی خوشی سے کہا۔

''اوہ، تو ہم لوگ جلد بازی میں پرانے حصے میں چلے گئے تھے۔'' بابا ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

نئے جھولوں میں چار چچماتے ہوئے لال رنگ کے جھولے (swings) تھے۔ ایک سفید دھاریوں والا اونچ نیچ (see-saw)، پھسل پٹی (slide)، رنگ برنگے قمقموں سے سجی گاڑیاں اور باغ کی سیر کرنے کے لیے چھوٹی ریل گاڑی بھی چل رہی تھی۔

لبابہ، خنساء اور خبیب جھولوں پر اِتنا جھولے، اچھلے، کودے، پھسلے، جھولوں میں بیٹھ کر خوب گول گول گھومے، یہاں تک کہ تینوں بچے بُری طرح تھک گئے، پھر وہ بڑے سے درخت کے خوب گھنے سائے کے نیچے جمع ہو گئے، جہاں امی اور بابا چادر بچھا کر ٹوکری سے کھانے پینے کی اشیا نکال رہے تھے۔ امی گھر سے مزے دار بریانی پکا کر لائی تھیں اور خنساء کی امی نے شامی کباب بنا کر دیے تھے۔ بابا بازار سے آم خرید کر لائے تھے۔ امی نے آموں کو دھو کر کولر میں رکھ کر اُوپر ڈھیر ساری برف رکھ دی تھی۔ یوں آم ٹھنڈے ہو گئے تھے اور برف پگھل کر ٹھنڈا خوش بودار پانی بن گئی تھی۔

سب نے پہلے اچھی طرح منہ ہاتھ دھوئے، پھر بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد امی نے آم کی قاشیں کاٹیں۔ سب نے مزے لے لے کر آم کھایا۔ امی چھلکے، ہڈیاں، استعمال شدہ پلیٹیں اور چمچ ایک جگہ جمع کرتی گئیں، پھر بابا نے باغ میں لگے کچرے دان میں سارا کچرا ڈال دیا۔ الحمدللہ کہتے ہوئے سب نے منہ ہاتھ دھوئے۔ بچوں نے خوب تفریح کر لی تھی، مگر اُن کا دِل ابھی بھرا نہیں تھا۔

''چلو بھئی، آجاؤ بچو! شام ہو رہی ہے، گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' امی نے خنساء، لبابہ اور خبیب کو آواز لگاتے ہوئے کہا تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ لبابہ اور خنساء نے ہنستے ہوئے کیا کہا؟

بالکل ٹھیک سمجھے۔

انھوں نے کہا:

''ہم چلتے ہیں، بس ایک منٹ!''

بقیہ: انو منو کا دسترخوان ۳۵

ان مزے دار چاولوں کو ٹرے میں نکال کر دَسترخوان پر سجائیں اور سب کو کھلا کر دَاد پائیں۔

ارادہ تو تھا کہ سال کی شروعات میں نمکین کے ساتھ ایک میٹھے کی ترکیب بھی آپ کو بتائی جائے، لیکن قسط طویل نہ ہو جائے اس ڈر سے میٹھے کو فی الحال رہنے دیتے ہیں۔ میٹھا پھر کبھی بنائیں گے، ان شاءاللہ! ابھی نمکین سے ہی کام چلائیں۔ یہ ترکیب آزما کر آپ کہیں گے کہ کام چل نہیں گیا، بل کہ دوڑ گیا۔

ترکیب کا نام آپ کو بتایا نہیں جاتا، وہ اس لیے تا کہ آپ اپنے دماغ کو دوڑائیں اور نت نئے نام رکھنا سیکھیں۔

کھانا کھا کر، تعریفیں بٹور کر انو منو کو دُعائیں دینا مت بھول جایئے گا۔

ملتے ہیں اگلے ماہ آسان اور ذائقے دار ترکیب کے ساتھ، ان شاءاللہ!

نبیل چھت پر کھڑا دھوپ کی طرف منہ کرکے اونچی آواز میں غصے سے بول رہا تھا:

''بس کرو دھوپ باجی! تم تو ہر وقت میرے کپڑوں کو سوکھا کر سخت کر دیتی ہو۔ اور کل میری آئس کریم بھی پگھلا دی تھی۔''

دھوپ ہنسی اور پیار سے سمجھاتی ہوئی بولی:

''اوہو! تو آپ مجھ سے ناخوش ہیں؟ ارے نبیل بھائی! اگر میں نہ ہوں تو آپ کے کپڑوں بدبو آنے لگے، زمین گندی ہوجائے اور سب بیمار ہوجائیں۔''

نبیل نے منہ بناتے ہوئے کہا: ''بہانے نہ بناؤ، سب تنگ ہیں تم سے۔ میں بارش باجی کو بلاؤں گا، وہ آئیں گی اور تمھاری چھٹی ہوجائے گی۔''

اتنے میں آسمان پر بادل چھا گئے، اور ٹپ ٹپ پانی برسنے لگا۔ نبیل خوش ہوکر چلایا:

"واہ! بارش آ گئی۔

واہ بارش باجی! آپ تو بہت اچھی ہیں۔"

بارش مسکرا کر بولی:

"شکریہ نبیل! میں ٹھنڈک لاتی ہوں، درختوں کو نہلاتی ہوں، پھولوں کو جگاتی ہوں اور زَمین کو سیراب کرتی ہوں۔"

نبیل اچھلتا کودتا نیچے آیا، امی نے اسے تولیہ دیا اور کہا:

"واہ میاں! دھوپ کو بُرا کہا اور بارش کو اچھا بنا دیا! ذرا خود سوچو، اگر دھوپ نہ ہو تو بارش کے بعد کیچڑ کیسے سوکھے گا؟ کپڑے کیسے سوکھیں گے؟ سبزیاں کیسے اُگیں گی؟"

اتنے میں اس کی بہن نور ایک پلیٹ میں پکوڑے لے آئی اور بولی:

"آؤ نبیل! میں آپ کو کچھ دکھاتی ہوں!"

پھر وہ دونوں صحن میں آ گئے۔ آسمان پر آدھی دھوپ تھی، آدھی طرف بادل اور دونوں کے درمیان خوب صورت قوسِ قزح۔

نور نے نبیل کا ہاتھ پکڑا اور صحن میں موجود گلاب کے پودے کے پاس لے آئی۔

"نبیل بھائی! یہ گلاب کے پھول دیکھ رہے ہیں؟ بارش نے انھیں نہلایا، دھوپ نے انھیں چمکایا اور ہوا نے ان کی خوش بُو پھیلائی۔"

نور کی بات سن کر گلاب کے پودے نے ہلتے ہوئے نرمی سے کہا:

"بالکل نبیل میاں! ہمارے لیے بارش اور دھوپ، دونوں ضروری ہیں، ایک ہمیں دھوتی ہے تو دُوسری ہمیں چمکاتی ہے۔"

پاس ہی موتیے کے پودے سے مہک آ رہی تھی، اس نے بھی جھومتے ہوئے گلاب کے پودے کی تائید کی۔ دھوپ کی روشنی میں اس کے پھول بھی جیسے جگ مگا اٹھے تھے۔ ہوا چلنے لگی اور گلاب اور موتیے کی خوش بُو ہر طرف پھیل گئی۔ نبیل نے لمبی سانس کھینچی اور خوش ہو کر کہا:

"واہ! کیا بات ہے، یہ تو خوش بُو کا جھونکا ہے!"

پاس ہی درخت پر بیٹھے پرندے، بلبل، مینا اور توتا، جو بارش سے بھیگ کر تھوڑے اداس ہو گئے تھے، دھوپ نکلتے ہی پروں کو سکھانے کے لیے پَر پھیلانے لگے تو بلبل نے چہچہاتے ہوئے کہا:

’’سبحان اللہ! کیسا
موسم ہے! بارش کی تازگی اور دُھوپ کی
گرمی، دونوں مل جائیں تو بہت مزہ آتا ہے!‘‘
مینا بولی:
’’ہم تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں لگے ہوئے
ہیں، کیوں کہ وہی تو ہے جو
ہمیں یہ سب خوب صورت موسم دیتا ہے،
الحمدللہ!‘‘
توتا خوش ہو کر بولا:
’’پکوڑے بھی آ گئے، اب تو موسم اور مزہ دونوں
پورے! ٹیں ٹیں...... شکریہ اللہ جی!‘‘
نبیل نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف
رخ کیا، ہوا میں خوش بُو، کانوں میں پرندوں کی
آواز، چہرے پر ہلکی دھوپ اور بارش کی
نمی محسوس کرتے ہوئے خوشی سے
کہا:
’’یا اللہ! واقعی، آپ کی ہر نعمت کتنی پیاری
ہے۔ پہلے میں صرف شکایت کرتا تھا، اب شکر ادا
کرنے والا بنوں گا۔‘‘
نور نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ تھاما اور بولی:
’’بس، یہی
تو بات ہے پیارے بھائی! نعمتوں کو پہچانو، ان
کی قدر کرو۔ بارش ہو یا دھوپ، ہوا ہو یا خوش بُو،
سب ہمارے لیے خاص انعام ہیں۔‘‘
نبیل نے ہنستے ہوئے کہا:
’’چلو، پھر اَب میں دھوپ باجی سے
بھی صلح کر لیتا ہوں!‘‘
نبیل کی بات سن کر دھوپ نے نرم سی کرن
بھیجی، بارش نے آخری بوندیں ٹپکائیں،
ہوا نے گلاب اور موتیے کے پتے اور پھول
ہلائے، پرندوں نے خوشی کے گیت سنائے اور نبیل
نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
’’الحمدللہ! اب میری سمجھ میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر
تخلیق میں حکمت ہے، چاہے وہ دھوپ ہو یا بارش، گرمی
ہو یا سردی۔‘‘
نور نے خوش ہو کر کہا: ’’شاباش نبیل بھائی! اب
آپ شکایت کرنے والے بچے سے شکر اَدا
کرنے والے بچے بن گئے ہیں!‘‘
دھوپ، بارش اور گلاب خوشی سے جھومنے
لگے اور نبیل اور نور مزے سے پکوڑے کھانے
لگے۔

ذوقِ مصوری
رغینہ غازی۔کراچی
قاسم۔کراچی
فاطمہ۔کراچی
محمد حمزہ اویس۔کراچی
حافظہ زینب محمد کامران
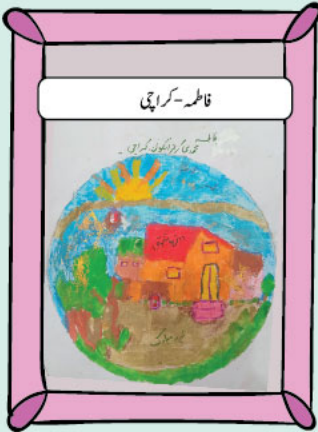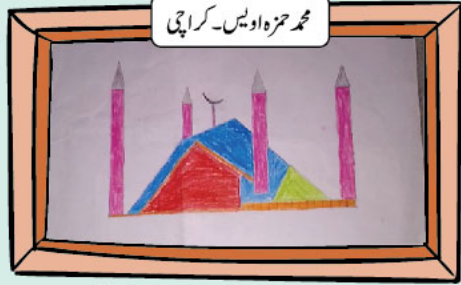
۶ فرق تلاش کریں۔

عرفان قمر۔کراچی

اپنا ذہن جگایئے! اور ذیل میں دیے گئے معمے میں
ایامِ عید الاضحیٰ کی مناسب سے 10 الفاظ تلاش کیجیے۔

ذ	س	ط	ص	ے	ج	د	م
ر	و	ن	ا	ج	ح	ل	ق
ف	ج	ح	ۃ	ب	ط	خ	ر
ہ	ا	گ	د	ی	ع	ف	ب
د	ی	ع	م	ا	ی	ی	ا
ج	گ	ت	ف	ا	ی	ض	ن
ت	ا	ر	ی	ب	ک	ت	ی
ش	د	ی	ع	ز	ا	م	ن
د	ا	ب	ک	ر	ا	ب	م
ن	و	غ	ش	ت	ژ	ث	ب

۱-نمازِعید ۲-خطبۂ جمعہ ۳-حج ۴-قربانی ۵-ایامِ عید
۶-جانور ۷-ضیافت ۸-مبارک ۹-عید گاہ ۱۰-تکبیرات

آؤ رنگ بھریں
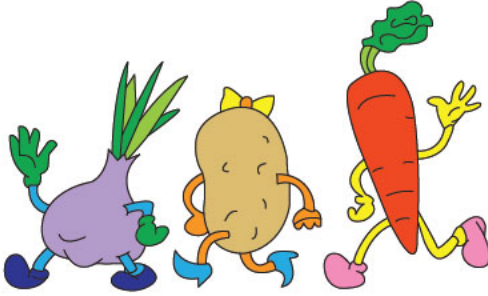
پیارے بچو! رنگ بھر کر اپنے والدین کو بھی دکھائیے۔
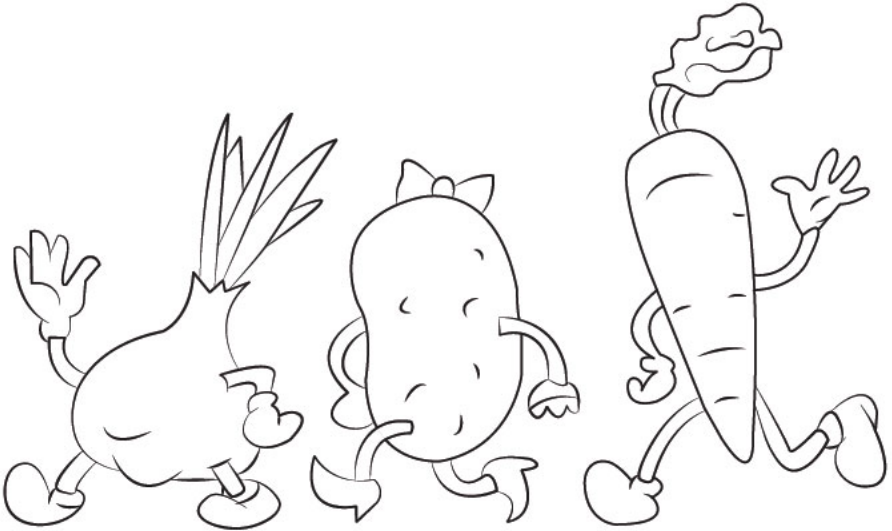
نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)!

محمد ہانی رفیق۔ کراچی

خدا کے دُلارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)
سبھی کے ہیں پیارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

ابوبکر ، فاروق ، عثمان ، حیدر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)
وہ لڑتے تھے اللہ کی تیغ بن کر
چمک دار تارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

وہ جنگِ بدر میں برسنا عَدُو پر
کہ کفّار پر بھاری ہے ان کا لشکر
وہ روشن ستارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

وفا میں وہ اوّل ، سَخا میں نرالے
نبی سے ہمیشہ وفا کرنے والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
حیا والے سارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

سعید ابن عامر وہ مخلص صحابی (رضی اللہ عنہ)
غریبوں کے ماویٰ ، گورنر تھے عالی
دلوں کے سہارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

انس بن نضر کا احد میں گرجنا (رضی اللہ عنہ)
کہ جامِ شہادت بھی پھر نوش کرنا
اکابر ہمارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

خدا نے رضا اپنی جن کو عطا کی
بھلا مثل ان کا کہاں ہے اے ہانؔی!
وہ اونچے منارے ، نبی کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

خوشی کا راز

(انگریزی ادب سے ماخوذ)

احمد عدنان طارق۔فیصل آباد

جمیل کے گھر کے باہر ایک بہت خوب صورت باغیچہ تھا، جس میں ایک بہت پیارا نیل کنٹھ رہتا تھا۔

بچو! آپ نے دیکھا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے یہ پرندہ ویسے ہی بہت خوب صورت بنایا ہے۔ اس کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں، لیکن ان میں بے حد چمک ہوتی ہے اور اُس کا سینہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ جمیل جب بھی باغیچے میں جاتا تو وہ نیل کنٹھ بڑے لگاؤ سے جمیل کے ارد گرد اُڑتا رہتا۔

جمیل نے اس کے لیے ڈبل روٹی کا چُورا لے کر جانا شروع کر دیا۔ اس کے بدلے میں وہ جمیل کو اپنی چہچہاہٹ سے یوں بلاتا جیسے وہ اسے کوئی خوب صورت گیت سنا رہا ہو۔ وہ جمیل سے بالکل ڈرتا نہیں تھا۔ وہ اتنا مانوس ہوگیا تھا کہ ایک دن وہ جمیل کے سر کے اوپر اُڑتا اُڑتا اُس کے سر پر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی جمیل سے دوستی کا انداز تھا اور جمیل پر اِعتماد کا اظہار تھا۔

دن یوں ہی گزرتے رہے۔ ایک دن جمیل بیمار ہوگیا۔ اسے بستر پر لیٹنا پڑا۔ نیل کنٹھ نے دو، تین دن جمیل کو باغیچے میں نہیں دیکھا تو وہ اُداس ہوگیا۔ وہ باغیچے میں اڑتا ہوا جمیل کو ڈھونڈتا، لیکن جمیل اسے نظر نہیں آتا۔ نیل کنٹھ نے سوچا کہ اسے گھر میں جا کر جمیل کو تلاش کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے جمیل گھر میں ہی ہو۔

اس نے تمام کھڑکیوں میں اُڑتے ہوئے جھانکا۔ آخر کار اُسے جمیل ایک کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا نظر آ گیا۔ وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ وہ کمرے میں بالکل اکیلا لیٹا ہوا تھا۔ نیل کنٹھ کھلی ہوئی کھڑکی سے جمیل کے کمرے میں آ گیا اور جمیل کے بستر پر اُس کے پیروں کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ چہچہایا:

ٹویٹ......ٹویٹ...... چر......ر......ی...... چر......ر......ی۔

اس کی آواز سُن کر جمیل نے آنکھیں کھولیں اور خوشی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ بولا:

''تم میرے دوست! تمھاری مہربانی۔ تم نے مجھے کیسے تلاش کرلیا؟ بستر پر لیٹا لیٹا میں کتنا اُکتا گیا ہوں۔ میرے دوست! تم مجھ سے روز ملنے آیا کرو، تاکہ میرا دل لگا رہے۔''

نیل کنٹھ بولا:

''ٹویٹ......ٹویٹ...... میں آؤں گا۔'' پھر وہ پھدکتا ہوا آگے بڑھا اور جمیل کے کمبل پر بیٹھ کر اپنی بولی بولنے لگا، جیسے جمیل کو کوئی نغمہ سنا رہا ہو۔ کچھ دیر بعد وہ کھڑکی سے باہر اُڑ گیا۔

اس کے ذہن میں ایک ترکیب

آئی تھی، جس سے وہ جمیل کا دِل بہلا سکتا تھا۔ وہ اور اُس کی مادہ کچھ دنوں سے ایک مناسب اور محفوظ جگہ کی تلاش میں تھے، جہاں وہ اپنا گھونسلا بنا سکیں۔ کتنا ہی اچھا ہو اگر وہ جمیل کے کمرے میں کوئی جگہ ڈھونڈ لیں۔ جمیل بہت اچھا لڑکا ہے۔ نیل کنٹھ سوچ رہا تھا۔

نیل کنٹھ ویسے بھی اپنے گھونسلے بنانے کے لیے ایسی جگہ ڈھونڈتے ہیں جہاں نزدیک ان کے دوست رہتے ہوں۔ نیل کنٹھ اُڑتا ہوا اپنی مادہ کے پاس گیا اور اُسے جا کر اپنی سوچ بتائی، پھر وہ دونوں اڑتے ہوئے جمیل کے کمرے میں گئے۔ انھوں نے جمیل کے کمرے کے ہر گوشے، ہر کونے کا جائزہ لیا، تا کہ وہ گھونسلا بنانے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب کر سکیں۔

نیل کنٹھ بولا:

''کیا خیال ہے، اگر ہم اپنا گھونسلا جمیل کے بستر کے پیچھے بنی ہوئی کتابوں کی الماری کے ساتھ بنالیں؟ وہاں ہمارے گھونسلے کے لیے کافی جگہ موجود ہے۔''

اگلے کئی دن جمیل کے لیے بہت دل چسپ تھے۔ وہ دیکھتا رہتا اور دونوں نیل کنٹھ جمیل کے کمرے میں اپنا گھونسلا بناتے رہتے۔ جمیل نے اِس بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اس کی امی ابو غصے ہوں گے کہ اس کا کمرا گندہ ہو رہا ہے۔ وہ بس لیٹا رہتا اور اُڑتے ہوئے نیل کنٹھوں کو کھڑکی سے آتے جاتے دیکھتا رہتا۔ کبھی وہ اپنی چونچوں میں تھوڑی سی گھاس لے کر آتے، کبھی دو تین زمین پر گرے ہوئے پتے اُٹھا لاتے یا کبھی کبھار تھوڑی بہت کائی۔

ایک دن نیل کنٹھ کو جمیل کے کنگھے میں کچھ بال نظر آئے، اس نے وہاں سے گھونسلے کے لیے دو تین بال بھی چونچ سے اُچک لیے۔ جمیل یہ دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا۔ جب گھونسلا بن گیا تو نیل کنٹھ کی مادہ کتابوں کی الماری کے پیچھے اپنے آرام دہ گھر میں بیٹھ گئی اور پھر اُس نے چار پیارے انڈے دیے۔ انڈوں پر بہت خوب صورت سرخ رنگ کے دھبے تھے۔

جمیل جب چاہتا کتابوں کی الماری کے پیچھے جھانک کر اُنھیں دیکھ سکتا تھا۔ جمیل انھیں دیکھ کر بہت خوش تھا۔ جمیل کو ڈاکٹر صاحب دیکھنے آئے تو اُس کے ابو جان نے انھیں بتایا:

''ڈاکٹر صاحب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سارا دِن بے چارے جمیل کو بستر پر لیٹنا پڑتا ہے، لیکن پھر بھی وہ دوسرے بچوں کی طرح اُکتایا ہوا نہیں لگتا، بل کہ خوش دکھائی دیتا ہے۔''

جمیل کو تو پتا تھا کہ اس کی خوشی کا راز کیا؟ اس کی وجہ ایک ہی تھی کہ اس کے دونوں دوست کتابوں کی الماری کے پیچھے رہتے تھے، لیکن اس نے کسی کو اِس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔

پھر ایک دن انڈوں سے بچے نکل آئے۔ دونوں نیل کنٹھ بچوں کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے گیت گاتے، چہچہاتے، ہوا میں اُڑتے پھر رہے تھے۔ جمیل بھی بچوں کو دیکھ کر اِتنا ہی خوش تھا جتنے اس کے دوست۔ وہ روز کتابوں کی الماری کے پیچھے جھانک کر بچوں کو دیکھتا اور خوش ہوتا۔ کئی دفعہ دونوں نیل کنٹھوں کو اُڑ کر کھڑکی سے باہر جانا پڑتا، تا کہ وہ بچوں کے لیے کچھ کھانے کے لیے لے کر آئیں، تب جمیل اُن کی دیکھ بھال کرتا۔ اس نے اپنے دوستوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بلی کو کمرے میں داخل نہیں ہونے دے گا۔

جلدی ہی بچے بڑے ہو گئے اور اُن کے اُڑنے کا وقت آ گیا۔ ایک دن وہ گھونسلے سے نکلے اور اپنے ماں باپ کے ساتھ جمیل کے کمرے میں اڑنے لگے۔ ذرا سوچیں کہ اتنے نیل کنٹھ جمیل کے کمرے میں ایک ساتھ اُڑ رہے تھے۔ جمیل زور زور سے ہنسنے لگا، تبھی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ابو جان ڈاکٹر صاحب کو لے کر اندر آئے۔ وہ حیران ہو کر بولے:

''ارے، یہ اتنے سارے پرندے کہاں سے آ گئے؟''

جمیل نے سارا ماجرا ابو جان کو بتایا اور پھر اُنھیں اور ڈاکٹر صاحب کو کتابوں کی الماری کے پیچھے بنا ہوا گھونسلا دکھایا۔ ابو جان بہت حیران تھے۔ جمیل بولا:

بقیہ صفحہ نمبر 41 پر

بچو! کیا آپ کو پہیلیاں بوجھنے کا شوق ہے؟ اور کیا آپ کو تصویری کہانیاں پسند ہیں؟ تو بس، اب تیار ہو جائیے! ہم آپ کے لیے ایک زبردست کھیل لے کر آئے ہیں، جہاں آپ کو تصویروں کو دیکھ کر کہاوتوں کو پہچاننا ہے۔

یاد رکھیے، یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہوگا، آپ کو اپنی عقل کا استعمال کرنا ہوگا اور سوچنا ہوگا کہ اس تصویر میں چھپی کہاوت کیا ہے۔

اب تیار ہو جائیے، دیکھتے ہیں کہ کون تصویری کہاوت بوجھ سکتا ہے! کیا آپ تیار ہیں؟ چلیے، پھر شروع کیجیے۔

اس دل چسپ کھیل کو حل کیجیے اور ہمیں جواب بھیج دیجیے۔ بذریعہ قرعہ اندازی تین قارئین کو اِنعام دیا جائے گا۔ کوپن بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۱ جولائی ۲۰۲۵ء ہے۔

رنگین راز ۲

پھر کیا ہوا؟ ۱۹

کھلونا گھر

نذیر انبالوی۔ لاہور
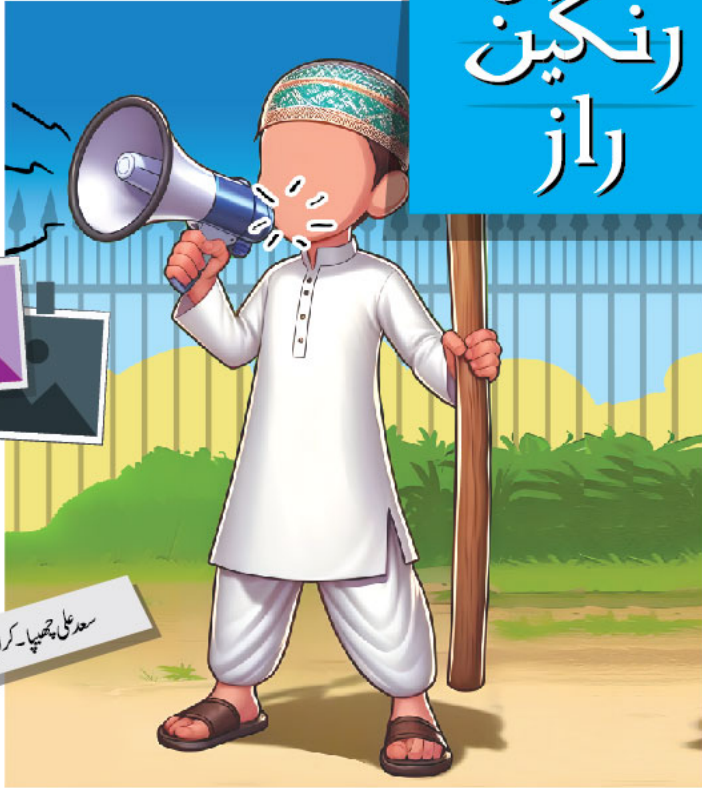
"جمیل نے سعد کے بستے میں جھانکا، پھر اِدھر اُدھر دیکھا، کوئی بھی اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس نے جھٹ ایک کتاب بستے سے نکال لی۔ کتاب میں بہت خوب صورت تصویریں تھیں۔ وہ پھولوں اور باغات وغیرہ کی تصویریں دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ سعد اُس کے قریب کھڑا ہے۔

"چور...... میری کتاب بستے سے کیوں نکالی ہے؟ تم نے میرے بستے کو ہاتھ کیوں لگایا؟" سعد چلّایا۔

"وہ سعد! وہ...... میں تو...... میں تو ویسے ہی کتاب دیکھ رہا تھا۔" جمیل سے بات بھی نہ ہو پا رہی تھی۔

"میری کتاب مجھے دو اور ہاں، آئندہ میری کتابوں کو ہاتھ مت لگانا۔" سعد نے کتاب جمیل کے ہاتھوں سے چھینی۔

جمیل نے معصوم صورت بناتے ہوئے کہا:

"اس کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے؟"

"یہ اردو کی کتاب ہے، اس میں کہانیاں بھی ہیں اور پیاری پیاری نظمیں بھی ہیں۔"

"چھوٹے صاحب! ایک کہانی سنا دو۔" جمیل نے التجا کرتے ہوئے سعد کی طرف دیکھا۔

"میں تمھیں کہانی سناؤں گا؟ جاؤ، اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ جاؤ، میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" سعد نے کتاب بستے میں رکھتے ہوئے سعد کو غصیلے لہجے میں کہا۔

جمیل اپنی جگہ سے اٹھا اور کوارٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے پاس سعد کی طرح کا بستہ کیوں نہیں ہے، اس کے پاس خوب صورت صفحات والی کتابیں کیوں نہیں ہیں۔"

دادی جان نے یہاں تک کہانی سنا کر بچوں پر نگاہ ڈالی۔ بچے پوری توجہ سے کہانی سن رہے تھے۔

"میرے بچو! جانتے ہو جمیل کون تھا؟" دادی جان کا سوال سن کر حارث بولا:

"یہ تو آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔"

"جمیل کے ابو سعد کے ہاں چوکی دار تھے۔ وہ دو سال سے ان کے ہاں کام کر رہے تھے۔ سعد کے ابو سجاد صاحب بیرون ملک سے بچوں کے کھلونے منگواتے تھے۔ ان کا کاروبار بہت اچھا چل رہا تھا۔ سجاد صاحب کو اپنے چوکی دار تجمل پر بہت بھروسا تھا۔ وہ

اکثر اِس بات کا ذِکر کرتے رہتے تھے۔ تجمّل اپنے بیٹے جمیل اور بیوی کے ساتھ کوارٹر میں رہائش پذیر تھا۔ سعد کبھی کبھار بنگلے کے اندر چلا جاتا تھا۔ وہ سعد کے کھلونوں اور کتابوں کو دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ اس نے ایک دن سعد کے ہیلی کاپٹر کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ سعد نے ایک زور دار تھپڑ اُس کے منہ پر مار دِیا تھا۔

دس سالہ سعد اپنا گال سہلا کر رہ گیا تھا۔ سعد رویا تو نہیں تھا، مگر اُس کی آنکھوں میں نمی ضرور آ گئی تھی۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے پہلے سعد اور پھر ہیلی کاپٹر کو دیکھا، لیکن بولا کچھ نہیں اور خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔'' دادی جان کچھ لمحوں کے خاموش ہوئیں تو حمزہ بولا:

''پھر کیا ہوا دَادی جان!؟''

''جمیل کوارٹر میں جا کر زَار و قطار رویا۔ ماں نے اسے سمجھایا کہ وہ سعد کے کمرے میں گیا ہی کیوں تھا۔ ہیلی کاپٹر سعد کا ہے، وہ کسی کو اُس سے کھیلنے دے یا نہیں، یہ اس کی مرضی ہے۔

''جب میرے پاس ہیلی کاپٹر آئے گا تو میں سب کو اُس سے کھیلنے دوں گا۔ کھلونے تو سب کے لیے ہوتے ہیں، سب بچے کھلونوں سے کھیل سکتے ہیں۔ میں بہت سارے ہیلی کاپٹر، کاریں اور چھک چھک چلنے والی ریل گاڑی لوں گا، سب بچوں کو بلاؤں گا اور اُنھیں کہوں گا کہ آؤ، سب مل کر کھیلتے ہیں۔''

میرے بچو! پھر معلوم ہے کیا ہوا!؟'' دادی جان نے اتنا کہہ کر حارث، حمنہ اور حمزہ کو دیکھا۔

''پھر کیا ہوا دَادی جان!؟'' حمنہ بولی۔

''پھر ہوا کچھ یوں کہ جمیل کو قریبی سرکاری اسکول میں داخل کروا دِیا گیا۔ ایسا جمیل کی خواہش پر کیا گیا تھا۔ سجاد صاحب کو جب جمیل کے اسکول میں داخل ہونے کا علم ہوا تو اُنھوں نے تجمّل سے کہا:

''جمیل کے تعلیمی اخراجات میں ادا کیا کروں گا۔''

یوں جمیل کی پڑھائی کا آغاز ہوا۔ وہ دس سال کی عمر میں اسکول میں داخل ہوا تھا، اس لیے وہ اپنے ہم جماعت دوستوں سے عمر اور قد میں بڑا تھا۔ کچھ شرارتی بچے اسے ''چاچا جی'' کہہ کر تنگ بھی کرتے تھے۔ وہ کسی بات پر رَدِّعمل کا اظہار نہ کرتا، اس کی توجہ صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر تھی۔ وہ اپنے اساتذہ کی ہر بات نہایت توجہ اور دِل چسپی سے سنتا۔ جب کسی کام کے لیے محنت کی جائے تو نتیجہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ جمیل نے جلد اپنے اساتذہ کے دل میں گھر کر لیا۔ پڑھائی ہو، کھیل کا میدان یا تقریری مقابلوں کا معاملہ ہو، جمیل ہر جگہ نمایاں حیثیت سے موجود ہوتا۔ کام یابی سے یہ سفر جاری رہا۔ وہ اسکول سے کالج اور پھر یونی ورسٹی جا پہنچا۔ یونی ورسٹی میں پروفیسر نواز خان صاحب نے اس کا ہاتھ تھما۔ وہ انگریزی زبان واَدب کے استاد تھے۔ انھوں نے جمیل کو مقابلے کے امتحان (سی۔ایس۔ایس) کی راہ دکھائی۔

''میں اور مقابلے کا امتحان!؟'' جمیل نے حیرت کا اظہار کیا۔

''جی، میرے بچے! تمھیں ہر صورت میں مقابلے کے امتحان میں بیٹھنا چاہیے۔'' پروفیسر نواز خان صاحب نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''میں سی۔ایس۔ایس کی تیاری کیسے کروں گا؟'' جمیل کی بات سن کر پروفیسر نواز خان صاحب بولے:

''میں تمھاری راہ نمائی کروں گا، میرے پانچ طلبہ مقابلے کا

امتحان پاس کر کے مختلف سرکاری اداروں میں اپنے فرائض ادا کررہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم اگر محنت کرو گے تو آسانی سے مقابلے کا امتحان پاس کرلو گے، ہمت کرو، محنت کرو، تم ان شاء اللہ ضرور کام یابی حاصل کرو گے۔''

''دادی جان! سی ایس ایس سے کیا مراد ہے؟'' حارث نے سوال کیا۔

دادی جان نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''سی ایس ایس (CSS) مخفف ہے سینٹرل سپیریئر سروس (Central Superior Services) سال میں ایک مرتبہ وفاقی پبلک سروس کمیشن کے زیرِ اہتمام یہ امتحان لیا جاتا ہے، جس کے تحت گریڈ 17 کے لیے افسر بھرتی کیے جاتے ہیں۔ اس امتحان میں چھے قسم کے امتحان ہوتے ہیں۔ تحریری امتحان، نفسیاتی امتحان، طبی امتحان، زبانی امتحان۔ اس امتحان میں اکیس تا تیس سال کے مرد اور خواتین بطورِ اُمیدوار شریک ہوسکتے ہیں۔'' دادی جان نے تینوں کو بغور دیکھتے ہوئے سی۔ ایس۔ ایس کے بارے میں بتایا۔

''پھر کیا ہوا دادی جان!؟'' حمزہ نے پوچھا۔

''پھر ہوا یہ کہ جمیل نے پروفیسر نواز خان صاحب کی راہ نمائی میں سی۔ ایس۔ ایس کی تیاری شروع کی۔ اس عرصے میں جمیل نے ایک جگہ تدریس کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ جب راہ نما میسر ہو تو منزل جلد مل جاتی ہے۔ جمیل نے بھرپور تیاری کے ساتھ سی۔ ایس۔ ایس کا تحریری امتحان دیا۔ کئی ماہ بعد نتیجہ آیا تو کام یاب ہونے والوں میں جمیل کا نام بھی شامل تھا۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ایک چوکی دار کا بیٹا مقابلے کے امتحان کا تحریری امتحان پاس کرسکتا ہے۔ ابھی جمیل کو منزل نہیں ملی تھی، تین مرحلے باقی تھے۔ جمیل نے ان تینوں مراحل

میں بھی شان دار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ آخر وہ دن بھی آ گیا، جب جمیل کی کام یابی کا اعلان ہونا تھا۔ اخباری نمائندے اسے تلاش کرتے ہوئے سجاد صاحب کے بنگلے میں جا پہنچے۔ پھر مختلف اخبارات اور رسائل میں جمیل کے انٹرویو شائع ہوئے۔ اس نے اپنی جدوجہد کا ایک ایک لمحہ انٹرویو میں بیان کیا۔ روزنامہ جذبہ کے نمائندے وقاص کو اِنٹرویو دیتے ہوئے جمیل نے ایک خواہش کا اظہار کیا۔''

''وہ خواہش کیا تھی؟'' حمنہ نے سوال کیا۔ دادی جان نے کچھ سوچ کر کہا:

''وہ خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے شہر میں ایک ''کھلونا گھر'' بنانا چاہتا ہے، جہاں ہر طرح کے کھلونے ہوں، وہاں ہیلی کاپٹر بھی ہو، رنگ برنگی کاریں، اور رِیل گاڑیاں بھی موجود ہوں۔ جمیل کی اس خواہش نے صرف تین سال بعد عملی صورت اختیار کر لی۔ شہر کے مشرقی حصے میں ایک بڑا ''کھلونا گھر'' بچوں کے لیے بنا دیا گیا۔ حکومت نے ''کھلونا گھر'' بنانے کے ساتھ ساتھ مالی معاونت بھی کی تھی۔ جب کھلونا گھر کا افتتاح رہا تھا، ہر طرف بچے ہی بچے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کارخانے میں کام کرنے والے یاسر نامی بچے نے کھلونا گھر کا افتتاح کیا۔ کھلونا گھر میں ایک حصے میں ہیلی کاپٹر ننھے منے بچوں کے لیے موجود تھے۔ جمیل جب ہیلی کاپٹر والے حصے میں داخل ہوا تو طرح طرح کے ہیلی کاپٹر دیکھ کر اُسے وہ ہیلی کاپٹر یاد آ گیا جسے ہاتھ لگانے کے جرم میں سعد نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا تھا۔ جمیل آج بھی اپنے گال پر اُس تھپڑ کا دَرد محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ایک ہیلی کاپٹر کو ہاتھ میں پکڑا۔ وہ آہستگی سے بڑبڑایا:

''اب جس بچے کو کھلونوں سے کھیلنا ہوگا وہ کھلونا گھر آ جائے گا، بہت سارے کھلونے اس کا استقبال کرنے کے لیے موجود ہوں گے۔''

''کیا کھلونا گھر اَب بھی آباد ہے؟'' حارث نے پوچھا۔

''جی ہاں، یہ کھلونا گھر اَب تک آباد ہے۔ جب آپ کے ابو جان کو فرصت ہوگی ہم سب وہاں جائیں گے، وہاں کھلونوں سے ملیں گے۔ ممکن ہے وہاں جمیل سے بھی ملاقات ہو جائے۔''

''میں تو زیادہ وقت ہیلی کاپٹر والے حصے میں گزاروں گا۔'' یہ آواز حمزہ کی تھی۔

''ہم سب کھلونا گھر بھی جائیں گے اور ہیلی کاپٹر بھی دیکھیں گے۔ یہ تھی آج کی کہانی۔ میرے بچو! اب سو جاؤ، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔''

دادی جان نے اتنا کہا تو تینوں نے یک زبان ہو کر کہا:

''آمین! ثم آمین!''

پھر کیا ہوا؟

(یہ جاننے کے لیے پڑھیے، اگلے شمارے میں، ایک نئی کہانی، دادی جان کی زبانی)

بقیہ: خوشی کا راز

''لیکن اب میں بہت اداسی محسوس کروں گا، کیوں کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بچے اُڑ کر کھڑکی سے باہر چلے گئے ہیں۔ اب وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ باغیچے میں ہی رہیں گے۔ اب میں انھیں یہاں بہت کم دیکھ سکوں گا۔''

ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے:

''تم بھی اب اس کمرے میں بند نہیں رہو گے۔ تمھارا بھی وقت آ گیا ہے کہ تم بھی سارا دِن اب باغیچے میں کھیل کود سکتے ہو۔ باہر موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔ تم جا کر سارا دِن اپنے دوستوں کو دیکھ سکتے ہو۔''

جمیل بہت خوش ہوا۔ وہ اب اپنے نیل کنٹھوں کے ساتھ باغیچے میں ہے۔ جمیل قریب قریب مکمل صحت یاب ہو چکا ہے۔ اس کے پاس اب اچھے دوست ہیں۔ ہے نا وہ خوش قسمت!

سعد علی چھیپا۔ کراچی

غیبت کی تعریف:

پیارے بچو! آج ہم ''غیبت'' کے بارے میں بتاتے ہیں، تاکہ اس بُری عادت سے ہم خود کو بچائیں اور اِس بڑے گناہ سے محفوظ رہ سکیں۔

پیارے بچو! غیبت کا مطلب ہے کہ کسی دوسرے کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی عیب یا بُرائی اشارے، کنائے یا زبان سے بیان کرنا۔ اگر وہ بُرائی یا عیب اس شخص میں موجود نہ ہو تو اسے ''بہتان''، یعنی الزام تراشی کہتے ہیں جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔

غیبت کی بُرائی:

پیارے بچو! غیبت کرنا بہت ہی بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے غیبت کرنے والوں کو جہنم میں اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے کو نوچتے ہوئے دیکھا۔

ایک خرابی غیبت کی یہ ہے کہ آدمی کی نیکیاں اس شخص کے پاس چلی جاتی ہیں، جس کی غیبت کی ہو۔ کتنے نقصان کی بات ہے کہ اتنی محنت مشقت کر کے نیکیاں حاصل کریں اور اپنی ساری نیکیاں دوسرے کو دے دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سے بچائے۔ آمین!

غیبت سے بچنا:

پیارے بچو! جس طرح غیبت کرنا جائز نہیں، اسی طرح غیبت کا سننا بھی جائز نہیں۔ اگر آپ کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرے، یا آپ سے کبھی غلطی سے کسی کی غیبت ہو گئی ہو تو اِن باتوں پر عمل کریں۔

۱. غیبت کرنے والے کو اِس بُرائی کے نقصانات بتا کر غیبت کرنے سے روک دیں۔
۲. غیبت کرنے والے کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بل کہ گفتگو کا رُخ بدلنے کی کوشش کر دیں۔
۳. اگر مجلس میں غیبت جاری رہے تو اُس مجلس سے اٹھ جائیں۔
۴. اگر کبھی آپ سے غیبت ہو گئی اور جس کی غیبت کی ہے، اسے بھی پتا چل گیا ہو تو اس سے معافی مانگ لیں۔
۵. اگر سامنے والے کو غیبت کے بارے میں علم نہیں ہوا تو اُس غیبت پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر پکی توبہ کر لیں اور اُس شخص کے لیے دعا کریں۔
۶. اگر کسی کا جانی یا مالی نقصان ہوا ہو تو اُسے پورا کرنے کی کوشش کریں۔
۷. غیبت سے بچنے کے لیے اپنی کمیوں کو سوچیں اور اُنھیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو غیبت سے بچنے اور دوسروں کو بھی اس سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جادوگر

نازیہ آصف۔ گجرات

مئی کا مہینا چل رہا تھا۔ حسن علی چند دِن پہلے ہی دسویں جماعت کے امتحان سے فارغ ہوا تھا۔ اس کے والدین اسے کہہ رہے تھے کہ ''بیٹا! آپ کے پاس بہت سارا وقت ہے تو آپ کچھ کرلو، کہیں سمر کیمپ میں داخلہ لے لو، یا کوئی ہنر سیکھ لو۔'' مگر وہ روزانہ ''جی ٹھیک ہے۔'' کہہ کر بات ٹال دیتا۔

حسن علی بچوں کے لیے نظمیں، کہانیاں اور مضمون بھی لکھتا تھا۔ جب اس کی کوئی کہانی، نظم یا مضمون اخبار میں چھپتا تو اُس کے والدین، اساتذہ اور دوست، سبھی بہت خوش ہوتے۔ جماعت میں جب بھی کوئی تحریری مقابلہ منعقد ہوتا ہمیشہ پہلا انعام حسن کو ہی ملتا۔

موسم بہت گرم ہو رہا تھا۔ اس نے والدین سے کہہ دیا کہ ''گرمی بہت ہے، وہ باہر کہیں نہیں جائے گا، گھر میں بیٹھ کر کہانیاں اور نظمیں لکھے گا اور نام کمائے گا۔'' یہ سن کر اُس کے والدین بھی خاموش ہو گئے۔ اِس بات کو پورا مہینا گزر گیا تھا، لیکن حسن ایک لفظ بھی نہیں لکھ پایا تھا۔

آج بھی موبائل استعمال کرتے ہوئے اس کی ایک یادداشت سامنے آئی تو اُسے یاد آیا کہ ایک سال پہلے اس نے آخری کہانی لکھی تھی جس پر اُس نے انعام بھی حاصل کیا تھا، مگر اُسے یہ سوچ کر بہت دکھ ہوا کہ ایک سال ہو گیا ہے اور اُس نے پورے ایک سال میں کچھ بھی نہیں لکھا۔

حسن بہت پریشان ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے تو نام کمانا تھا، ایک نامور لکھاری بننا تھا، مگر یہ کیا کہ اب میں کچھ بھی نہیں لکھ رہا۔

حسن انھیں سوچوں میں گم تھا کہ اس کے دوست کا پیغام آ گیا:

''آؤ، گیم کھیلتے ہیں۔''

حسن نے پیغام دیکھ کر موبائل ایک طرف رکھ دیا تو پھر اُس کے دوست کی کال آ گئی، وہ کہنے لگا:

''یار! کہاں مصروف ہو؟ آؤ، جو گیم رات تمھارا وائی فائی بند ہونے کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا اسے مکمل کرتے ہیں۔''

حسن کا دِل تو نہیں چاہ رہا تھا، مگر وہ مان گیا۔ جلد ہی وہ سب کچھ بھول کر کھیل میں مگن تھا۔ دو تین گھنٹے کھیلتے ہوئے گزر گئے اور حسن کو اِحساس ہی نہ ہوا۔ جب اس کی والدہ نے آ کر ڈانٹا تو اُسے اُحساس ہوا کہ کتنا طویل وقت اس نے کھیلتے ہوئے گزار دِیا ہے۔

اس نے اپنی والدہ سے وعدہ کیا کہ اب وہ موبائل پر کوئی گیم نہیں کھیلے گا، بل کہ اب وہ کہانی لکھے گا۔

حسن نے کمرے میں ساری چیزیں مناسب جگہ پر رکھیں، کمرے کی حالت ٹھیک کی اور موبائل پکڑ کر کہانی لکھنے بیٹھ گیا۔ موبائل پکڑ کر ابھی سوچنا ہی شروع کیا تھا کہ ایک دم کئی پیغامات

موبائل کی اسکرین پر جگ مگانے لگے۔
یہ وہ لنکس تھے جو اُس کے دوست اسے بھیج رہے تھے۔ اس نے ایک لنک پر کلک کیا اور پھر کتنے سارے لنکس کھلتے ہی چلے گئے۔ اسی طرح کافی سارا وقت اور گزر گیا۔ جب حسن کو احساس ہوا تو اُس نے جلدی سے سب چیزیں بند کیں اور کچھ لکھنے کی کوشش کرنے لگا، مگر جلد ہی اسے محسوس ہوا کہ اس کا ذہن تھک چکا ہے، اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ ایسے ہی موبائل ہاتھ میں پکڑے پکڑے سو گیا۔
کئی دن اسی تگ و دو میں گزر گئے، حسن واقعتاً لکھنا چاہتا تھا، مگر جیسے ہی موبائل ہاتھ میں آتا استعمال کرتے کرتے اتنا وقت گزر جاتا اور اُسے احساس ہی نہ ہو پاتا۔
حسن کی والدہ جب بھی اسے یہ سب چھوڑنے کو کہتیں تو وہ یہی جواب دیتا: ''بس امی! پانچ منٹ، دو منٹ۔'' اور ایسے کرتے کرتے کئی گھنٹے اور پھر کئی دن گزرتے گئے۔ حسن کی والدہ اس کے رویے سے بہت دل گرفتہ تھیں۔ اس بات کا اندازہ حسن کو بھی ہو رہا تھا۔ وہ گزشتہ دو دِن سے والدہ کا بدلا ہوا رویہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس سے کوئی بات نہیں کر رہی تھیں۔
حسن کو محسوس ہوتا کہ وہ یہ سب غلط کر رہا ہے، مگر وہ خود کو بے بس پا رہا تھا۔
آج رات جب وہ والدہ کو شب بخیر کہنے کے لیے ان کے کمرے میں گیا تو والدہ نے اُس کا ماتھا چومے اور اُس کی طرف دیکھے بغیر ہی شب بخیر کہہ دیا۔
حسن اس بات سے انتہائی رنجیدہ تھا، لیکن اسے پتا تھا کہ وہ غلطی کر رہا ہے، اس لیے والدہ ناراض ہیں۔
اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی تو بارہ بج رہے تھے، مگر اُس کی والدہ اسے جگانے بھی نہیں آئی تھیں، تب اسے ماں کی ناراضی اور دُکھ کا بہت زیادہ احساس ہوا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور والدہ کے پاس جا کر اُن کے ہاتھ پکڑ لیے اور معافی مانگنے لگا۔ والدہ نے اسے بازو سے پکڑا اور اپنے کمرے میں لے آئیں۔ اسے سامنے بٹھا کر اُس سے پوچھنے لگیں: ''میرے بیٹے! آپ کو تو بہت بڑا لکھاری بننا تھا، ڈیڑھ مہینا آپ نے گزار لیا ہے تو کیا لکھا ہے اس دوران میں، لائیں، ذرا دکھائیں مجھے۔''
حسن بہت شرمندہ ہوا۔ وہ کہنے لگا:
''امی! جب لکھنے کے لیے کچھ سوچنے لگتا ہوں تو نیند آ جاتی ہے، کوئی خیال ہی دماغ میں نہیں آتا۔ میں خود پریشان ہوں، مجھے لگتا ہے کہ شاید میں لکھاری نہیں بن سکتا۔
امی! سال بھر گزر چکا ہے مجھے کچھ بھی لکھے ہوئے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔''
والدہ اس کے منہ سے یہ باتیں سن کر کہنے لگیں: ''شکر ہے بیٹا! آپ کو اِس بات کا احساس تو ہوا، ورنہ میں تو کل سے بہت پریشان ہوں یہ سوچ کر کہ کیا آپ ایسے ہی وقت برباد کرتے رہو گے؟
بیٹا! اب پریشان نہ ہو، اور میں آپ کی مدد کروں گی، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو، اب ناشتا کر لو، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔''
حسن خود کو موبائل اور اُس سے جڑی فضول قسم کی مصروفیات سے نکالنا چاہتا تھا۔ وہ ہر رات ارادہ کرتا، مگر صبح خود کو بے بس پاتا۔
آج سوموار کا دِن تھا۔ حسن کی آنکھ کھلی تو دَس بج رہے تھے اور بجلی بند ہونے کی وجہ سے وائی فائی بھی بند تھا۔ اس نے موبائل چیک کیا تو گھر میں نیٹ نہیں چل رہا تھا۔ اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور ناشتا کرنے لگا۔ اس کی والدہ نے اسے بتایا کہ آج بجلی دو بجے آئے گی۔
حسن نے ناشتے کے بعد وَالدہ کی کتابوں میں سے ایک کتاب پکڑی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کافی دیر کتاب پڑھتا رہا، پڑھتے پڑھتے کئی نئے خیالات بھی اس کے دماغ میں آتے گئے۔
دو گھنٹے کتاب پڑھنے کے بعد اُس کا دِل چاہا کہ اب کچھ لکھے۔ اس نے لکھنا شروع کیا تو جیسے الفاظ خود بخود اُس کے قلم سے نکلتے گئے۔ اس نے ایک گھنٹے میں ہی کہانی لکھ لی۔ حسن نے کہانی دوبارہ پڑھی، بل کہ دو تین بار پڑھی اور غلطیاں درست کیں، پھر اپنی والدہ کو دِکھائی۔

بقیہ صفحہ نمبر 48 پر

☆ڈاکٹر (ملازم سے):

''جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ، مجھے چوٹ لگ گئی ہے۔''

ملازم (حیرت سے):

''مگر جناب! آپ تو خود ڈاکٹر ہیں؟''

ڈاکٹر: ''خبردار! مجھے مت بلانا، میری فیس بہت زیادہ ہے۔''

☆جج (ملزم سے):

''تم نے چوری کرتے وقت اپنی بیوی بچے کا کیوں نہیں سوچا؟''

ملزم: ''جناب! سوچا تھا، لیکن دکان میں صرف مردانہ کپڑے تھے۔''

(مسفرہ ساجد۔کراچی)

☆آدمی (گوالے سے):

''دودھ میں سے مینڈک کیوں نکلا؟''

''گوالا: ''جناب! ایک لیٹر دودھ میں سے مینڈک ہی نکل سکتا ہے، بکری تو نہیں۔''

(روحان عاصم۔کراچی)

☆ڈاکٹر (مریض سے):

''منہ کھولو!'' مریض منہ کھولتے ہوئے:

آ آ......!''

ڈاکٹر: ''ذرا زیادہ کھولو۔''

مریض: ''آ آ ااا......!''

ڈاکٹر: ''اور زیادہ کھولو۔''

مریض: ''ڈاکٹر صاحب! کیا میرے منہ میں بیٹھ کر چیک کریں گے؟''

☆ایک روپے کے سکّے نے پانچ ہزار کے نوٹ سے پوچھا:

''کیسے ہو؟''

پانچ ہزار کا نوٹ بولا: ''مزے میں ہوں، کبھی فائیو اِسٹار ہوٹل تو کبھی شاپنگ مال، کبھی اسلام آباد، کبھی کراچی اور کبھی ملک سے باہر بھی چلا جاتا ہوں۔تم سناؤ؟''

ایک روپے کا سکّہ:

''کیا بتاؤں یار! بس گھوم پھر کر وہی چندے کا ڈبا۔''

(ناہید مشتاق۔ٹھٹھہ)

☆ایک شخص بھینس کو نہلا رہا تھا۔ایک آدمی نے وقت پوچھا۔وہ بھینس کی ٹانگ اٹھا کر بولا:

''سوا چھے۔''

وہ آدمی حیران ہوا، کیوں کہ واقعی یہی وقت ہوا تھا۔دوسرے دن پھر اُس نے وقت پوچھا۔اس شخص نے پھر بھینس کی ٹانگ اٹھائی اور بولا:

''سوا چار۔''

آدمی بہت پریشان ہوا۔اس نے بھینس والے سے پوچھا:

''تم یہ کیسے کرتے ہو؟''

اس نے سوال کرنے والے کو بٹھایا اور بھینس کی ٹانگ اوپر کر کے کہا:

''وہ دیکھو، سامنے ہوٹل کی دیوار پر گھڑی لٹکی ہوئی ہے۔''

(صفیہ نعمان۔حیدرآباد)

جنگل کا گندورو

محمد ندیم اختر۔لیہ

دور، بہت دور ایک سرسبز و شاداب جنگل ''ہرا بھرا جنگل'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔

اس جنگل میں ہر طرف ہریالی تھی اور جنگل کے قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ شیر بادشاہ جنگل کا حکمران تھا۔ جنگل کا عقل مند حکیم الو، جنگل کے تمام جانوروں کی صحت کا خیال رکھتا تھا۔ جنگل کے تمام جانور اپنے بادشاہ سے بہت خوش تھے۔ اس جنگل کی امن و امان کی صورتِ حال دوسرے جنگلوں کے لیے ایک مثال تھی۔ پُرامن جنگل کے پُرامن جانور مہمان نواز بھی تھے۔ آئے روز جنگل میں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہتا، جہاں جنگل کے جانور ایک دوسرے سے ملتے اور ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتے تھے۔

ایک دن جنگل میں بہت بڑی دعوت ہونے والی تھی۔ یہ دعوت جنگل کے کسی جانور کی طرف سے نہیں، بل کہ جنگل کے حکمران شیر بادشاہ کی طرف سے جنگل کے جانوروں کو دِی جا رہی تھی۔ شیر بادشاہ کی دعوت پر تمام جانور چاندنی گھاٹ پر اِکٹھے ہو رہے تھے، جہاں طرح طرح کے مزے دار کھانے تیار ہو رہے تھے۔ خرگوش، ہرن، توتا، ہاتھی، لومڑی اور بندر، سب ہی خوش تھے۔ ابھی

دسترخوان پر کھانا چننا شروع نہیں ہوا تھا کہ ہاتھی چنو نے سب کو خبردار کیا۔

''اٹھو...... اٹھو، پہلے اپنے ہاتھ وغیرہ دھوئیں، جنگل کے قانون کے مطابق صفائی بہت ضروری ہے۔'' ہاتھی چنو کی آواز سُن کر تمام جانور جھرنے کے پاس گئے اور اَپنے اپنے ہاتھ دھونے لگے، لیکن بندر ببلو نے شرارت سے کہا:

''ارے چنو! میں درختوں پر چڑھتا ہوں، شاخیں پکڑتا ہوں، میرے ہاتھ ہمیشہ صاف ہوتے، مجھے ہاتھ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ببلو! صفائی کے بغیر کھانا بیماری کو دعوت دیتا ہے۔ جنگل کے اصول نہ توڑو۔'' لومڑی لالی نے گھور کر کہا، مگر ببلو ہنس کر بولا:

''مجھے کچھ نہیں ہوگا! تم سب خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو!'' یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ دھوئے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور خوب مزے لے لے کر کھانا کھانے لگا۔

......☆......

شیر بادشاہ کی دعوت کے بعد تمام جانور ہنستے کھیلتے اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیے، کیوں کہ دعوت کے دوران میں انھیں وقت کا احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ گھاٹ پر آدھی رات بیت گئی تھی۔ تمام جانور اپنے اپنے گھروں میں جا کر آرام سے سو گئے، لیکن اگلے دن کا سورج جنگل میں عجیب واقعات کے ساتھ نکلا۔ خرگوش صبح بیدار نہ ہو سکا، اس کے پیٹ میں شدید درد تھا۔ ہرن کو چکر آ رہے تھے، وہ صحیح طرح چل بھی نہیں پا رہا تھا۔ توتا بولنے کی کوشش کرتا، مگر اُس کی آواز نقاہت سے بھرپور تھی۔ جلد ہی دوسرے جانوروں کو بھی پیٹ درد اور بخار ہونے لگا۔ ہاتھی حیران تھا۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ جنگل کے جانور ایک ساتھ کیسے بیمار ہو سکتے ہیں؟'' وہ چلّاتا ہوا حکیم الو کے مطب کی جانب بھاگا۔ حکیم الو کو جیسے ہی خبر ملی اس نے ابتدائی طبی امداد کا ڈبا اٹھایا اور پہلے ہرن کے گھر پہنچا، اس طرح حکیم الو فرداً فرداً جانوروں کے گھروں میں جا رہا تھا، لیکن جب وہ دوپہر کو بندر کے گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ بندر کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اس کے پیٹ کا درد اُس کی برداشت سے باہر تھا، وہ اونچی آواز میں درد سے کراہ رہا تھا۔

بندر کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ ہوا کہ اسے فوری طور پر حکیم الو کے مطب پر لے جایا جائے، جہاں اس کا علاج ممکن ہوگا۔ شام تک بندر کی طبیعت میں کافی افاقہ دیکھنے کو ملا، لیکن اس کی طبیعت ابھی بحال نہیں ہوئی تھی۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سورج کے غروب ہوتے ہی رات کے اندھیرے نے جنگل پر ایک بار پھر قبضہ جما لیا۔ الو حکیم سارا دِن بیمار جانوروں کے لیے بھاگتا رہا تھا، تھکاوٹ سے اس کا جسم کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ جیسے ہی اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹا تو اُس سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ پریشان تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے جنگل کے جانور بیمار ہو گئے اور بیماری کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ وہ کروٹیں بدل رہا تھا، پھر ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ اٹھا اور اپنے مطب میں چلا گیا۔

......☆......

رات کے کسی پہر اُلو حکیم نے چمک دار شیشہ اٹھایا اور بندر کے ہاتھوں پر مرکوز کر دیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کے ہاتھوں پر ننھے ننھے جراثیم تھے۔ اس نے باہر نکل کر جنگل کے جانوروں کو بلایا۔ اس کے بلاوے پر جنگل کے جانور اُس کے مطب کے سامنے ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ اس نے ایک بار پھر شیشے کا چمک دار عدسہ بندر کے ہاتھوں پر مرکوز کیا۔ اس خوردبینی شیشے میں بندر کے ہاتھوں پر ننھے ننھے جراثیم بھاگتے نظر آ رہے تھے۔ وہ چلایا:

''یہ دیکھو!'' حکیم الو نے سب جانوروں کو دِکھایا۔

''یہ وہ جراثیم ہیں جو گندے ہاتھوں پر رہتے ہیں۔ جب بندر نے ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھایا تو یہ جراثیم اس کے کھانے میں شامل ہو کر اُس کے جسم میں داخل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگل میں بیماری پھیل گئی۔'' سب جانور حیرانی سے ان جراثیموں کو دیکھ رہے تھے، اسی دوران میں بوڑھے چمگادڑ کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔

''بہت سال پہلے، اس جنگل میں ایک گندا جانور رہتا تھا، جسے

سب ''گندورو'' کہتے تھے۔ وہ صفائی کو ناپسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ سب جانور گندے رہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے جراثیم بناتا اور اُنھیں جانوروں کے ہاتھوں پر ڈال دیتا تھا۔ جو بھی ہاتھ نہ دھوتا وہ بیمار ہوجاتا، پھر جنگل کے بزرگوں نے صفائی کا قانون بنایا، تاکہ گندورو کے اس عمل کو ختم کیا جا سکے۔'' بوڑھے چمگادڑ نے بات ختم کی تو سارے جانور خاموش اس کہانی میں کہیں کھوئے ہوئے تھے۔ شیر بادشاہ بھی کہانی سننے والوں میں شامل تھا۔ اسے بہت غصہ آیا۔

''ہم اپنے جنگل کو دُوبارہ بیمار نہیں ہونے دیں گے، آج سے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا جنگل کا سب سے پہلا قانون ہوگا!'' شیر بادشاہ کی بات سن کر تمام جانوروں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے ہرے بھرے جنگل کو ہمیشہ کی طرح صاف ستھرا اور خوب صورت بنائیں گے۔

......☆......

اگلی صبح جنگل میں لومڑی تمام جانوروں کو بڑے میدان میں بٹھائے ہاتھوں کو صحیح طریقے سے دھونے کی تربیت دے رہی تھی۔ اس تربیت میں طے ہوا کہ ہاتھی جھرنے کے پاس پانی کا نل لگوائے گا، تاکہ جنگل کے جانور اُس نل سے صاف اور محفوظ پانی پینے کے لیے لے سکیں۔ حکیم الو نے جراثیموں سے بچنے کے راز سمجھائے۔ اس طرح روزانہ کی بنیاد پر جنگل کی مختلف سمتوں میں یہ صفائی سے آگاہی کے اکٹھ ہونے لگے اور اِس طرح جنگل کے جانور بھی صفائی کے ان اصولوں پر عمل کرنے لگے۔ چند دِن بعد جنگل کے تمام بیمار جانور صحت مند ہو گئے۔

شیر بادشاہ نے جانوروں کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں ایک بڑے جشن کا اہتمام کیا۔

جشن ختم ہوا تو تمام جانور گھروں کی جانب لوٹنے لگے، اتنے مائیک میں پر اِعلان ہوا۔ یہ بندر کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہا تھا:

''مجھے معاف کر دو دوستو! میری لاپرواہی کی وجہ سے سب بیمار ہو گئے۔ اب میں ہمیشہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوؤں گا!''

بندر کی بات سن کر تمام جانوروں نے خوش دلی سے اسے معاف کر دیا۔

بقیہ: جادوگر

اس کی والدہ اس کی تحریریں پڑھتیں اور ساتھ ساتھ ان کی درستی بھی کرتی جاتیں، اسی طرح تین چار دِن گزر گئے۔ بجلی صبح نو بجے سے دو بجے تک بند رہتی۔ حسن کے دل میں کئی بار بڑی شدت سے خیالات اٹھتے کہ موبائل پکڑوں اور گیم کھیلوں، دوستوں سے گپ شپ کروں، مگر نیٹ بند تھا تو کیا ہوسکتا تھا۔

جب تین چار دِن گزر گئے، حسن نے دو کہانیاں ایک نظم اور ایک مضمون بعنوان ''موبائل یا جادو'' بھی لکھ لیا تو اُس کی والدہ نے اسے بتایا کہ وہ خود گھر کی بجلی بند کر دیتی تھیں، تاکہ اس بُری عادات سے اسے چھٹکارا دلایا جا سکے۔ آپ موبائل کے ہر وقت اور غلط استعمال سے اس کے عادی بن چکے تھے اور یہ عادت آپ کو ذہنی ہی نہیں جسمانی طور پر بھی ناکارہ بنا رہی تھی۔ شاباش! اب جو معمول میں تبدیل ہوئی ہے تو اِسی پر عمل پیرا رہنا، میں آپ کی نگرانی بھی کروں گی اور مدد بھی۔''

حسن کی والدہ نے اس کا موبائل پکڑ کر دَرجن بھر گیمز اور فضول قسم کی ساری ایپس ہٹا دیں۔ سارے فضول قسم کے گفتگو والے گروپوں سے بھی حسن کو نکال دیا اور اُسے ساتھ لے جا کر اچھی کتابیں دلوائیں۔

حسن کے دسویں جماعت کے امتحان کا نتیجہ آیا تو والدہ نے اسے ایک خوب صورت کتاب تحفے میں دی، جسے دیکھ کر حسن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ اس کی اپنی کہانیوں کا مجموعہ تھی، جس میں اس کی بیس کہانیاں، دس نظمیں اور پانچ مضامین تھے، جو اُس نے ان فارغ دنوں میں لکھے تھے جب اس نے اپنی ماں کی مدد سے اپنی بُری عادت پر قابو پایا تھا۔

نئے لکھاری

نافرمانی کی سزا

محمد معاویہ باڑی۔ کراچی

''یہ آج صبح صبح پھر حمدان کہاں غائب ہوگیا؟'' بیگم فہد کی غصیلی آواز گھر میں گونجی۔

''امی! حمدان بھائی فجر کی نماز پڑھ کر اپنے دوستوں کے ساتھ حلوا پوری کا ناشتا کرنے گئے ہیں۔'' فاطمہ صحن میں داخل ہوتے ہوئے اپنی والدہ سے مخاطب ہوئی۔

''آج آنے دو اِسے گھر، ایسا علاج کروں گی کہ آئندہ بازار کا کھانا کھانے کا سوچے گا بھی نہیں۔'' بیگم فہد غصے میں بولیں اور پیر پٹختی کمرے میں چلی گئیں۔

......☆......

حمدان آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ اپنے والدین اور اُساتذہ کا بہت ادب کرتا تھا، لیکن اس میں پچھلے دو، چار ماہ سے ایک بُری عادت پائی جارہی تھی، اور وہ عادت تھی بازار کا کھانا کھانے کی۔ اس کی اس عادت نے اس کے گھر والوں کو پریشان کررکھا تھا۔

......☆......

دن کے گیارہ بجے جب حمدان امی سے ڈانٹ سننے کے بعد اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بڑبڑایا:

''یہ بھی ایک عجیب مسئلہ ہے۔ بھئی، بازار سے صرف کھانا ہی تو کھاتا ہوں۔ کون سا کوئی جرم کرکے آرہا ہوں۔''

''بھائی! جو آپ بازار سے کھانا کھا کے آتے ہیں، ان میں جراثیم کا انبار ہوتا ہے۔ جس تیل میں وہ سموسے تلتے ہیں، کیا آپ کو پتا ہے کہ وہ تیل کیسا ہوتا ہے۔ امی، ابو آپ کو ڈانتے نہیں، آپ کو سمجھاتے ہیں، کیوں کہ اب چاہے ناشتا ہو یا کھانا، آپ ہر چیز بازار سے کھاتے ہیں۔'' فاطمہ، حمدان کو سمجھاتے ہوئے بولی، لیکن حمدان کہاں سمجھنے والا تھا، فوراً بول اٹھا:

''زیادہ مجھے نہیں سمجھاؤ، چھوٹی ہو تو چھوٹی رہو۔'' یہ کہہ کر حمدان چل دیا۔

......☆......
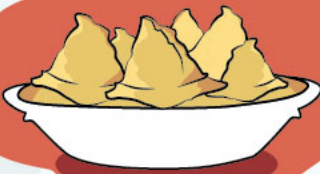
''آہ! میرے گردے میں بہت درد ہو رہا ہے۔ جلدی سے ڈاکٹر صاحب کو بلائیں۔'' حمدان کی تکلیف دہ آواز سُن فوراً فہد صاحب، بیگم فہد اور فاطمہ دوڑے آئے۔ فہد صاحب نے فوراً ڈاکٹر شہزاد کو فون کیا۔ دس منٹ بعد ڈاکٹر شہزاد پہنچے تو اُنھوں نے بتایا کہ حمدان کی حالت بہت نازک ہے اور وہ حمدان کو لے کر فوراً ہسپتال پہنچے۔

آدھے گھنٹے کے بعد ڈاکٹر شہزاد نے فہد صاحب کو بلایا:

’’حمدان کی طبیعت الحمدللہ! اب بہتر ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ بازار کے کھانے کھانا چھوڑ دے، کیوں کہ بازار کے کھانے میں خراب جراثیم خراب ہوتے ہیں۔ یہ میں نے چند ادویات لکھ دی ہے۔ ان شاء اللہ! حمدان بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔‘‘ ڈاکٹر شہزاد تسلی دیتے ہوئے بولے۔ یہ سن کر فہد صاحب، بیگم فہد اور فاطمہ کے سانس میں سانس آیا۔

اگلے دن حمدان کو ہسپتال سے چھٹی ملی تو وہ ڈاکٹر شہزاد کا شکریہ ادا کر کے گھر لوٹے۔ گھر پہنچ کر حمدان نے سب سے معافی مانگی، کیوں کہ اس کی وجہ سے سب کو تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔ اس نے اپنے والدین سے وعدہ بھی کیا کہ آئندہ وہ بازار کا کھانا نہیں کھائے گا اور گھر کا تازہ اور صاف ستھرا کھانا ہی کھائے گا۔

رسیلے گنّے

عائشہ فیض۔ کراچی

ایک نیلا ہاتھی، جس کا نام بنٹو تھا، وہ ابھی صرف ایک سال کا تھا۔ اسے درختوں پر چڑھنا بہت اچھا لگتا، مگر وہ جس ڈالی پر چڑھنے کی کوشش کرتا کمزور سی ڈالی نیچے گر جاتی۔ وہ اداس ہو جاتا اور امّی کی گود میں سر رکھ کر سو جاتا، مگر دُوسرے دن وہ دوبارہ پھر کسی درخت کی ڈالی پر چڑھنے کی کوشش کرتا اور ڈالی ٹوٹ جاتی۔

یہ دیکھ کر بنٹو کی امی نے اسے بہت سمجھایا کہ بیٹا! ننھی منی ڈالی تمھارا وَزن نہیں سہہ سکتی۔ اگر تم پھسل کر گر گئے تو کہیں تمھیں چوٹ نہ لگ جائے۔

لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور دُوسرے دن پھر ایک درخت کی طرف چل دیا۔ اس درخت کی ڈالی تھوڑی مضبوط تھی اور جھکی ہوئی بھی تھی، مگر بہت کوشش کرنے کے بعد بھی وہ اس پر نہیں چڑھ پا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بنٹو کے دوست بھی وہاں آ گئے اور اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے: اگر تم درخت پر چڑھ کر دِکھا دو تو ہم تمھیں رسیلے گنّے دیں گے۔ بنٹو گنّوں کا سُن کر بہت خوش ہوا، کیوں کہ گنّے اسے بہت پسند تھے۔ وہ جوش میں آ کر اُچھلا اور اُس نے درخت کی ڈالی پر پاؤں رکھا۔ ابھی وہ اوپر چڑھنے ہی والا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔

اس کی امی کو پتا چلا تو وہ بھاگی بھاگی آئیں۔ چاچا الو، جو دَرخت پر سو رہے تھے، وہ بھی دھڑام کی آواز سُن کر جاگ گئے اور ڈاکٹر بندر کو بلا لائے۔ ڈاکٹر نے بنٹو کو تین دن آرام کرنے کا کہا اور کڑوی دوا لکھ کر دی۔ بنٹو کو امی کی بات نہ ماننے کی اچھی خاصی سزا مل گئی تھی، اس لیے اب اس نے درخت پر چڑھنے سے توبہ کر لی۔

سرسبز زمین

محمد افضل۔ ملتان

’’اللہ تعالیٰ کا بے شمار بار شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ سوہنا، من موہنا دیس عطا کیا۔ اس کی آن، بان اور شان بڑھانا ہم سب کا فرض ہے۔ جب سے ہم یہاں آئے ہیں یہ درخت دیکھے ہیں۔ سہانجنا، املتاس، پیپل، برگد، نیم، جنڈی وغیرہ۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ان درختوں کی حفاظت کریں، مزید دَرخت لگائیں، لیکن آپ تو پہلے سے موجود دَرخت کو ہی کٹوانے کے درپے ہیں۔‘‘

حاجی اکرم علی نے رحمت سے درخت نہ کاٹنے کی درخواست کی تو رحمت نے عجیب ہی منطق پیش کی، کہنے لگا:

’’حاجی صاحب! درخت صرف گاؤں میں یا جنگل میں اچھے لگتے ہیں۔ شہر میں ان کا کیا کام؟ یہ جنڈی کا دَرخت کٹوا کر بازار بناؤں گا۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ اس کے تنے کا گھیراؤ کتنا زیادہ ہے اور اِس کی جڑیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں کئی دکانیں نکل آئیں گی۔ اس پر پھل بھی تو نہیں لگتا کوئی۔‘‘

حاجی صاحب نے کہا:

’’بھائی صاحب! یہ درخت پھل نہیں دیتا تو کیا ہوا؟ آپ

نے ابھی اس کے تنے کے وسیع گھیراؤ کا ذِکر کیا، آپ ہر روز اِس کے گھنے سائے میں بھی بیٹھتے ہیں۔ یہ درخت منوں کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتا اور آکسیجن خارج کرتا ہے۔ صبح شام سینکڑوں چڑیاں اس پر چہچہا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہیں۔ بہت سے کبوتروں کی غٹرغوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہوتی ہے۔ یہ درخت اللہ جانے کتنے پرندوں اور جانوروں کا مسکن ہے۔''

رحمت ''میں نہ مانوں'' کی تسبیح پکڑے بیٹھا تھا، بولا:

''بھئی پرندے کیا پابند ہوتے ہیں۔ یہ درخت کٹے گا تو کسی اور درخت پر ڈیرے ڈال لیں گے۔''

حاجی صاحب نے تلخی سے کہا:

ہریالی ختم کر کے آپ کیسے سرسبز رہ سکیں گے؟

آپ کے بھائی نے کنواں بند کر کے وہاں دکانیں بنائی تھیں۔ کیا وہ چلیں؟''

رحمت نے ایک بار پھر اپنی منطق پیش کی:

''بھولا بندہ یہ بات بھول گیا تھا کہ کنواں سانس لیتا ہے۔ بس کنویں نے سانس لیا اور دُکانیں پھٹ گئیں۔''

رحمت کو نہ باز آنا تھا نہ آیا۔ جنڈی کا دَرخت کٹ گیا۔

وہ گلی، جنڈی کا درخت والی گلی کے نام سے معروف تھی۔ درخت کیا کٹا، گلی کی شناخت، پہچان ہی گم ہوگئی۔

جلد ہی وہاں ایک بے ڈھنگا سا بازار بن گیا اور اُوپر رہائشی حصہ بن گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی دکانیں بنانا شروع کر دیں۔ ایک صاحب نے تو وہاں کوئی کارخانہ لگا لیا، جس کی ہر وقت کی کھٹ پٹ اچھا خاصا دردِ سر تھی۔ زرگر صاحبان کی بھٹیوں میں تیزاب کا استعمال آس پاس کے علاقے میں سانس لینا بھی دوبھر کر دیتا۔

رحمت اور اُس کے بھائی بندوں کی بدزبانی اور سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے بازار دُوسری جگہ منتقل ہوگیا اور رحمت کی دکانیں مقفل ہوگئیں۔

ایک دن حاجی صاحب کسی کام سے جا رہے تھے کہ ان کی ملاقات رحمت سے ہوئی۔ رحمت صدیوں کا بیمار نظر آ رہا تھا۔ پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ اس کا دم گھٹتا ہے۔ سانس لینے میں دِقت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تاکید کی ہے کہ تازہ ہوا میں لمبے لمبے سانس لوں، لیکن میں تازہ ہوا کہاں سے لاؤں؟'' اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''اپنی تکلیف تو جیسے تیسے برداشت کر رہا ہوں، پَر پوتے کی بیماری نہیں دیکھی جاتی۔ ڈاکٹر کہتے ہیں: اسے سورج کی مناسب دھوپ اور خالص دودھ نہ ملنے کی وجہ سے وٹامن ڈی اور سی کی کمی کا سامنا ہے، جس کے نتیجے میں یہ بیمار ہو گیا ہے۔''

حاجی صاحب نے کہا:

''رحمت بھائی ہم سب مل کر اِس کا حل نکال سکتے ہیں۔''

رحمت نے حیرت سے پوچھا:

''وہ کیسے؟''

حاجی صاحب نے کہا:

''گلی کے موڑ پر جہاں سارے محلے والے اپنے گھروں کا کچرا ڈالتے ہیں اس جگہ کا مثبت استعمال کر کے۔''

رحمت بے تابی سے بولا:

''حاجی صاحب! پہیلیاں نہ بجھوائیں۔ صاف لفظوں میں بتائیں۔''

حاجی صاحب بولے:

''محلے والوں سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنا کچرا یہاں پھینکنے کے بجائے جمع دار کو دیں۔ ہم اس جگہ کو صاف کروا کر یہاں گھاس اور پودے لگواتے ہیں۔ اپنی دھرتی کو سبز گہنے پہناتے ہیں، تاکہ ہمیں روشن دن، تازہ ہوا اور سایہ ملے۔''

رحمت نے کہا:

''حاجی صاحب! بہترین بات کی آپ نے۔ اب مجھے جنڈی یاد آیا۔ چلیں، اس طرح کچھ تو کفارہ ہوگا میری غلطیوں کا۔''

البدر البرکہ اسکول کے لکھاری

ایک عظیم ستارہ

نام: زنیرہ نصیر۔ جماعت: دہم۔ سیکشن: ب۔
شاخ: گرلز سیکنڈری۔ البدر البرکہ اسکول

سیف خان اپنے بچوں کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنے آبائی گاؤں آئے ہوئے تھے۔ یہاں سیف خان کا آبائی گھر تھا، مگر وہ کام کے سلسلے میں کراچی میں رہتے تھے۔ وہ ہر سال چھٹیاں یہیں گزارتے تھے۔ آج وہ اور اُن کے بچے اپنی زمینوں کی سیر کو نکلے تھے۔ بہت دیر گھومنے کے بعد وہ ایک نہر کے کنارے آکر بیٹھ گئے۔

''وہ گھر کس کا ہے بابا!؟'' ان کے چھوٹے بیٹے علی نے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو نہر سے کچھ دور نظر آرہا تھا۔

''آہ...... وہ میرے پیارے استاد کا گھر ہے۔'' انھوں نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''جانتے ہو کون تھے وہ؟''

بچوں نے سوالیہ نظروں سے والد کو دیکھا تو اُنھوں نے بتانا شروع کیا:

''یہ میرے بچپن کی بات ہے۔ میں ایک بہت ہی ذہین طالب علم تھا، مگر میرے والد کی اچانک موت نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا۔ میں نے پڑھائی سے بالکل منہ موڑ لیا۔ اور کرتا بھی کیا، آخر پورے گھر کی ذمے داری مجھ پر آگئی تھی اور اُس وقت جب سب رشتے داروں نے ہم سے منہ موڑ لیا تھا صرف ایک شخص نے میری مدد کی تھی۔ وہ ہمارے پڑوسی تھے جو ایک سرکاری اسکول کے استاد تھے۔ ان کا نام تو گلزار حسین تھا، مگر سب انھیں گل خان کہتے تھے۔ انھوں نے میرے سر پر دستِ شفقت رکھا اور میری ڈھارس بندھائی۔ وہ میری ہر قسم کی مدد کرتے تھے۔

میرے دل میں جو علم کی شمع دبی ہوئی تھی اسے اُجاگر بھی انھوں نے کیا۔ وہ شام کے وقت مجھے پڑھاتے اور میں کھیتوں میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ امتحان کی تیاری بھی کرنے لگا۔''

ابا جان سانس لینے کے لیے رُکے تو بچے بے چین ہو گئے۔ علی نے تلملا کر کہا:

''بابا! آگے کیا ہوا؟ بتائیں نا!''

''بچو! ذرا صبر، بتاتا ہوں۔'' انھوں نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اور پھر اُن کی دعائیں اور میری محنت رنگ لائی۔ میں ترقی کرتا گیا اور ایک دن ایک بہت بڑا کاروبار کھول لیا۔''

''اوہ، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے جو اِتنا بڑا گھر اور کئی گاڑیاں خریدیں وہ ان کی ہی کی وجہ سے ہوا؟'' ان کی بڑی بیٹی زینب نے کہا۔

''ہاں بیٹی! اگر وہ مجھے مزید تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ نہ کرتے تو شاید میں کبھی اتنا آگے نہ پہنچ پاتا۔'' انھوں نے کہا۔

''اور جانتے ہو، صرف میں ہی نہیں، نجانے گاؤں کے کتنے بچوں کی انھوں نے مدد کی تھی اور اُنھیں تعلیم دلوائی تھی۔

اس کے علاوہ انھیں دین سیکھنے کا بھی بے حد شوق تھا۔ انھوں نے اپنی زمین پر ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی تھی۔

ان کے گھر والے ان کی بہت مخالفت کرتے کہ وہ یوں ہی وقت برباد کرتے ہیں، مگر وہ ان سب باتوں پر توجہ نہ دیتے۔ سب کے منہ موڑنے کے باوجود بھی وہ اس کارِ خیر کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم اور دینی تربیت کی بہت فکر کرتے تھے۔ وہ

کہتے تھے کہ لڑکیوں کو دینی تعلیم دینا بہت ضروری ہے، تاکہ وہ علم کے ذریعے اپنی نسلیں سنوار سکیں۔

یوں ہی وہ اس کارِ خیر کو کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

وہ واقعی عظیم انسان تھے۔ ہم سب ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ ان کا گزر جانا ہمارے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تھا، لیکن وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، ان شاءاللہ!

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور آنسو اُن کے رخسار سے پھسل کر نیچے گرنے لگے۔

مضبوط ارادے

نام: زہرا اظہر۔ جماعت: ششم۔ درجہ: اے۔
شاخ: گلشن سیکنڈری، البدر البرکہ اسکول

ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا، جس کا نام عثمان تھا۔ عثمان بہت ذہین اور محنتی تھا، لیکن اس کے گاؤں میں اسکول نہیں تھا۔ وہ روزانہ اپنے والد کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتا اور رَات کو اپنے دادا سے پرانے قصے سنتا۔ ایک دن عثمان نے فیصلہ کیا کہ وہ ضرور تعلیم حاصل کرے گا، چاہے اس کے لیے اسے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس نے اپنے والد کی دی ہوئی رقم سے ایک پرانا صندوق خریدا، جس میں وہ کتابیں خرید کر جمع کرتا رہتا۔ وہ کتابیں پڑھنے کی بہت کوشش کرتا، لیکن مشکل الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے اور پڑھنے میں مشکلات ہوتیں۔ عثمان کے گاؤں کے قریب ایک شہر تھا، جس میں ایک اسکول تھا۔

عثمان روز صبح جلدی اٹھتا۔ کھیتوں میں کام کرتا اور پھر اسکول کے باہر جا کر کھڑا ہو جاتا۔ ایک دن اسکول کے ایک استاد نے اسے دیکھا تو پوچھا:

’’تم یہاں کیوں آتے ہو؟‘‘

عثمان نے بتایا: ’’وہ پڑھنا چاہتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ تعلیم حاصل کر سکے۔‘‘

استاد نے اس کی لگن دیکھی اور اُسے اسکول میں داخلہ دلوا دیا۔ عثمان نے دن رات محنت کی اور جلد ہی اپنے گاؤں کی پہلا لڑکا بن گیا، جو پڑھنا لکھنا جانتا تھا۔ عثمان نے اپنی تعلیم مکمل کی اور اپنے گاؤں میں ایک چھوٹا سا اسکول کھولا۔ اب وہ نہ صرف خود پڑھ رہا تھا، بل کہ اپنے گاؤں کے دوسرے بچوں کو بھی پڑھا رہا۔ تھا اس کی محنت اور لگن کی وجہ سے دوسرے بچوں کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ملا۔

عثمان کی کہانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اِرادے مضبوط ہوں تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔

لطیفے

نام: زینب وجاہت۔ جماعت: ہفتم۔
درجہ: اے۔ شاخ: گلشن سیکنڈری، البدر البرکہ اسکول

☆ دو بچے کمرۂ جماعت میں لڑ رہے تھے۔ اسی وقت استاد صاحب آ گئے۔ انھوں نے بچوں کو سزا دے دی کہ وہ سو بار اپنا نام لکھیں۔

ایک بچہ لکھنا شروع ہو گیا۔ دوسرا رونے لگا۔ استاد نے صاحب رونے کی وجہ پوچھی تو بولا:

’’سر! اس کا نام تو صرف ناصر ہے اور میرا نام سید محمد احمد قطب الدین ہے‘‘

☆ ایک استاد نے اپنے شاگرد سے سوال کیا: ’’وہ کون سے تین الفاظ ہیں جو طالب علم زیادہ استعمال کرتے ہیں؟‘‘

شاگرد: ’’مجھے نہیں معلوم۔‘‘

استاد: ’’شاباش! بیٹھ جاؤ۔‘‘

مئی کے شمارے کا سرورق یومِ مزدور کی مناسبت سے محنت کشوں کو خراج تحسین پیش کرتا نظر آیا۔ قرآن و حدیث کے ایمان افروز تذکرے کے ساتھ شمارے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ''علیک سلیک'' میں مدیر محترم حج اور عمرے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اس کا حل بتاتے نظر آئے۔ ''سیرت کہانی'' کا شان دار سلسلہ بھی شمارے کی تاب ناکی بڑھاتا نظر آیا۔ ''شاہ راہ قراقرم'' کے بارے میں مضمون بہت معلوماتی رہا۔ ''بہتر زندگی'' میں صاحب تحریر اپنے ماضی کا خوب صورت تذکرہ کرتے نظر آئے۔ ''قصہ گاؤں کا'' بہت شان دار تحریر رہی۔ ''جیومیٹری'' ریاضی کے حوالے سے ماضی اور حال کا سنگم عمدگی سے تعمیر کیا گیا۔ ''ماں کا سایا'' بہت عمدہ نظم، ماں کا حق کون ادا کرسکتا ہے! ''کانٹے'' بہت دل چسپ تحریر اور ''یوم تکبیر اور شرارتی بلی'' ننھے بچوں کے لیے مختصر اور آسان تحریر رہی۔ ''پرندوں کے آشیانے'' ہماری موجودہ فلسطینی صورتِ حال پر لکھی گئی منطبق تحریر محسوس ہوئی۔ ''پھر کیا ہوا'' نذیر انبالوی صاحب کی ایک اور خوب صورت تحریر۔ ''ملکہ کا ہار'' روایتی انداز کی تحریر، جسے جدید انداز میں برتا گیا۔ ''ننھے لکھاری'' اور ''البرکہ اسکول کے بچوں'' کی تحریریں بھی بہت عمدہ رہیں۔ اسلامی حوالے سے بچوں کی تعلیم و تربیت میں یہ رسالہ اپنا کردار بہت تن دہی سے ادا کر رہا ہے۔

(دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا)

☆ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل رہی اور آپ لوگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوتی رہی تو چلتے رہیں گے!

مئی کا شمارہ لاجواب تھا۔ سب سے پہلے ''پیغامِ الٰہی'' اور ''پیغامِ نبوی'' پڑھا۔ ''علیک سلیک'' میں آپ نے حج کے بارے میں بتایا۔ ''شاہ راہ قراقرم'' معلوماتی تحریر تھی۔ ''قصہ ایک گاؤں کا'' اچھی تحریر تھی۔ ''ماں کا سایہ'' نظم اچھی لگی۔ ''کانٹے'' اچھی تحریر تھی۔ ''یوم تکبیر اور شرارتی بلی'' بھی اچھی تحریر تھی۔ ''ذائقہ ہاؤس'' بھی اچھی تحریر تھی۔ تمام کھیل بھی آسان تھے۔

(حافظ امان اللہ۔ کراچی)

☆ حافظ امان اللہ صاحب! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے!

مئی کا شمارہ تھا بڑا ہی پیارا
''علیک سلیک'' کا انداز تھا نیارا
''بلاعنوان'' کہانی لاجواب تھی
''بہتر زندگی'' میں تھا چھپا سبق سنارا
''شاہ راہ قراقرم'' معلوماتی تھی
''قصہ ایک گاؤں کا'' نے خوب میدان مارا
''بکھرے موتی'' کی ہر بات عمدہ تھی
لطائف کی دنیا میں عمدہ تھا ہر ''شکر پارہ''
دیگر تحریروں اور سلسلوں کا بھی کیا ہی ہے کہنا
ہر تحریر اور سلسلے نے تھا خوب روپ دھارا
بہرحال، شمارہ دل چسپ، عمدہ تھا سارے کا سارا

(حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور)

☆ ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے تبصرہ تمھارا

اس مرتبہ مئی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ دل تو چاہا کہ پورے رسالے کا تعارف کرواؤں، لیکن معذرت! اسکول کے امتحانات کی وجہ سے وقت نہیں ملا، البتہ تمام کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے تھے۔ اپنا خط اور جواب پا کر نہایت خوشی ہوئی۔

(محمد حمزہ اویس۔ کراچی)

☆ لیجیے، ایک اور ہو گیا!

کافی عرصے کی غیر حاضری کے بعد دُوبارہ حاضری ہو رہی ہے۔ مئی کا شمارہ موصول ہوا۔ مطالعہ کیا، سُرور ملا۔ تحریروں میں وہی پُرانا انداز دیکھا۔ دیگر مستقل سلسلے بھی اچھے لگے۔ ''انعامی سلسلے'' بھی خوب تر تھے۔ اک نیا سلسلہ جو ''تعلیمی کھیل'' کے نام سے نظر آیا، یہ بھی بہت پسند آیا۔ (زہرہ بلال۔ حاصل پور)

☆خوش آمدید!

تعلیمی کھیل ۱۹ مہینے جاری رہ کر اب تو سال نامے میں اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے!

مئی کا شمارہ اپنے خوب صورت سرورق کے ساتھ موصول ہوا۔ ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کا ہر شمارہ علمی، ادبی اور اِصلاحی مضامین سے بھرپور تھا۔ سلسلہ ''سیرت کہانی'' بہترین جارہا ہے۔ ''قصہ ایک گاؤں کا'' تحریر اچھی لگی۔ ''شاہ راہ قراقرم'' مضمون نے پاکستان کے قدرتی حسن سے روشناس کروایا۔ ''تعلیمی کھیل'' دل چسپ تھا۔ بچوں کے لیے ایسی سرگرمیاں نہ صرف تفریح کا ذریعہ بنتی ہیں، بل کہ ذہنی نشوونما میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

(محمد ارسلان فل۔نوشہروفیروز)

☆پسندیدگی کا شکریہ!

تعلیمی کھیل کی ماہ جون میں آخری قسط تھی۔

بلاعنوان (۲۱۳) شمارہ مئی ۲۰۲۵ء کے بہترین عنوان ارسال کرنے والے تین قارئین

اول: ''مخلص دوست'' خنساء محمد جاوید۔حیدرآباد

دوم: ''غلطی کا احساس'' یحییٰ مرزا۔ملتان

سوم: ''احساس ندامت'' عبدالہادی امین۔راول پنڈی

''مخلص دوست'' اول والا عنوان چار قارئین نے بھیجا تھا۔ بقیہ تین قارئین کے نام یہ ہیں: محمد یامین، بنت ریحان احمد، آمنہ جنید (کراچی)۔ ''احساس ندامت'' دوم والا عنوان چھے قارئین نے بھیجا تھا۔ بقیہ پانچ قارئین کے نام یہ ہیں: محمد حمزہ اویس، حافظ امان اللہ، ام ہانی ثوبان، بریرہ بنت فہد (کراچی) زہرہ بلال (حاصل پور)۔

اچھے عنوانات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: محمد عروہ، شمس الرحمٰن، محمد یوسف، ندا محمد زبیر، مدیحہ بنت محمد انیس، عائشہ گلزار، منزہ بنت اویس، محمد ہاشم فرخ، ہبہ طلحہ، محمد سہل اویس، عبداللہ بن فارانی، بریرہ عدنان، حمیرا افنان، ہانیہ ارسلان، فارس بن یحییٰ، جویریہ عبدالجبار، حمنہ بنت سہیل، محمد طیب احمد، محمد حسین فرخ۔ **لاڑکانہ:** حافظ محمد طلحہ، حافظ حمنہ صالحہ۔ **نوشہروفیروز:** محمد ارسلان فل۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف، زہرہ بلال۔ **ملتان:** امامہ ملک۔ **پیروالا:** ہدیٰ عمران۔ **منڈی بہاؤالدین:** مفتی عبیداللہ زاہد۔ **لاہور:** غانیہ فاطمہ۔ **راول پنڈی:** ملک شاہ زیب احمد۔ **اٹک:** ابیہا فیصل۔

ذوق معلومات ۱۱۱ شمارہ مئی ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

لاڑکانہ: ☆حافظ عبدالرؤف۔ **راول پنڈی:** ☆جویریہ زہرا۔

واہ کینٹ: ☆حمزہ مسعود۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: بنت ریحان احمد، منزہ بنت اویس، محمد سہل، ام ہانی ثوبان، آمنہ جنید، بادیہ زبیر، محمد عروہ، عائشہ گلزار، صفیہ یامین، عبداللہ بن فارانی، ہبہ طلحہ، حسان عارف، محمد بن عمرو، حافظ امان اللہ، جویرہ بنت عبدالجبار، ابان مدنی، عائشہ افنان، بنت ریحان فصاحت، بلال مزمل، حفصہ یونس، محمد یوسف، لبابہ اشرف، عثمان بن مشتاق۔ **نوشہروفیروز:** محمد ارسلان فل۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف، زہرہ بلال۔ **کہروڑ پکا:** دانیال حسن۔ **ملتان:** میاں عبدالرحمٰن، ایان احمد۔ **منڈی بہاؤالدین:** مفتی عبیداللہ زاہد۔ **پیروالا:** ہدیٰ عمران۔ **لاہور:** عبداللہ عزیز۔ **راول پنڈی:** شفق نور۔ **اٹک:** خنساء فیصل۔

سوال آدھا جواب آدھا (۶۸) شمارہ مئی ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆محمد سہل اویس ☆بنت ریحان فصاحت۔

حاصل پور: ☆حافظ محمد اشرف۔

درست جوابات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: خولہ حسن، اہلیہ یامین، محمد عروہ، حافظ امان اللہ، محمد یوسف، جویریہ بنت عبدالجبار، عبداللہ بن فارانی، آمنہ جنید، محمد حمزہ اویس۔ **نوشہروفیروز:** محمد ارسلان فل۔ **حاصل پور:** زہرہ بلال۔ **کہروڑ پکا:** دانیال حسن۔ **ملتان:** ہدیٰ ملک، امامہ ملک۔ **راول پنڈی:** انعمہ نور۔ **کوئٹہ:** محمد نبی۔ **کوہاٹ:** محمد اخلاص۔

تعلیمی کھیل (۱۸) شمارہ مئی ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆حفصہ عارف ☆شمس الرحمٰن۔ **نوشہروفیروز:** محمد ارسلان فل۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: حافظ امان اللہ، جویریہ بنت عبدالجبار، ام ہانی ثوبان، محمد یوسف، آمنہ جنید، شہیر منیب احمد، حفصہ یونس، ہبہ طلحہ، عائشہ گلزار، عشال زبیر، محمد سہل اویس، عبداللہ بن فارانی، محمد حمزہ اویس، فارحہ فرحان، منزہ اویس، بنت ریحان فصاحت، حافظ ائرا۔ **حیدرآباد:** خنساء محمد جاوید۔ **لاڑکانہ:** حافظہ عائشہ گل۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف، زہرہ بلال۔ **کہروڑ پکا:** دانیال حسن۔ **ملتان:** امامہ ملک، ہدیٰ عمران، محمد حسین۔ **منڈی بہاؤالدین:** مفتی عبیداللہ زاہد۔ **لاہور:** احمد عزیز۔ **راول پنڈی:** ملک شاہ زیب احمد، جویریہ زہرا۔ **واہ کینٹ:** حمزہ مسعود۔ **اٹک:** ابیہا فیصل۔

کوہاٹ: زین العابدین۔

کوپن برائے
بلاعنوان ۲۱۵

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۱۱۳

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
سوال آدھا جواب آدھا ۶۹

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
رنگین راز ۲

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
انعامی سرورق

جولائی ۲۰۲۵

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

ہدایات: ☆ جوابات ۳۱، جولائی ۲۰۲۵ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

☆ کوپن کو قلم سے پُر کر کے اور جواب صاف کاغذ پر لکھ کر واضح تصویر کھینچ کر اِس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔